ماہنامہ

قلندرِ شعور

مارچ ۲۰۲۰ء

سکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور روح کے عرفان کے بغیر سکون نہیں ملتا

رموزِ عشق زلوحِ دلم مطالعہ کُن
کہ حلِ نکتۂ عشق از کتاب دیگر نیست

شہودِ حق طلبی از وجود خود بگذار
کہ جز وجود تو او را حجاب دیگر نیست

سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتیؒ

جلد 8 شمارہ 2 | مارچ 2020ء | رجب ـ شعبان 1441ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ
قلندر شعور
کراچی

Neutral Thinking

(اردو ــ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاءؒ رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

باہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ـــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 80 روپے..... سالانہ ہدیہ 1080 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ ، بیرونِ پاکستان 70 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔ فون نمبر: 6912020 213(0) 92+

۳۴ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ ـــــــــ فیروز خسرو 10

نعت رسول مقبول ﷺ ـــــــــ غلام زبیر نازش 11

رباعیات ـــــــــ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ 12

آج کی بات ـــــــــ مدیر مسئول 18

فقیر کی ڈاک ـــــــــ ادارہ 32

نامے میرے نام ـــــــــ خانوادہ سلسلہ عظیمیہ 33

مشابہ انواع = مشابہ مقداریں ـــــــــ (M.A-Fine Arts) حامد ابراہیم 37

پیراسائیکالوجی سے مسائل کا حل ـــــــــ خواجہ شمس الدین عظیمی 45

بارش میں دھوپ ـــــــــ عابد محمود 49

دیکھنا ــ دیکھنا نہیں ہے ـــــــــ (M.A-Economics) محمد علی ضیا 55

ہر صفت اک نشاں ہے اے بے نشان تیرا ـــــــــ (برطانیہ) صوفیہ رفعت 61

جوڑے دہرے ـــــــــ (آرکیٹیکٹ) عبدالوحید نظامی 65

عنوان قارئین بتائیں ـــــــــ شہربانو 71

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں ـــــــــ گلِ نسرین 79

قرار ــ بے قراری ـــــــــ شازیہ رشید 83

سات پردے ـــــــــ (MBA) سید اسد علی 89

آزادلمس ____ ندا حامد 95

مچھلیاں درختوں پر ____ نیّر اعظم 99

دسمبر 2019ء کے سرورق کی تشریح ____ قارئین 103

اقتباسات ____ قارئین 106

آپ نے کیا دیکھا—؟ ____ (M.Ed.) احمد نواز 107

ادب — با ادب ____ عثمان طاہر 113

نفی — اثبات ____ وسام مسعود 117

پورب کے ہم زاد ____ (M.Sc-Applied Physics) محمد عدنان خان 121

اللہ میاں کے باغ کے پھول —

اولی الالباب بچے ____ ادارہ 127

ملکۂ پرستان ____ حمدہ امجد 129

بے زبان چڑیا ____ بی بی ایمن 134

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر ____ عظیمی خواجہ شمس الدین 139

Reality and Materialism ____ Dr. Naeem Zafar (Ph.D.) 150

Circle of Life ____ Bibi Anuradha (UAE) 154

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) ____ Qurat-ul-Ain 161

The Driving Agency ____ Sarah Khan 165

Prophet Muhammad (PBUH) ____ Extracted 168

Message of the Day ____ K. S. Azeemi 176

فیروز خسرو

حمد باری تعالیٰ

اسی کے نام سے ہر ابتدا ہے
وہی ہر ابتدا کی انتہا ہے
وہ خالق ہے زمین و آسماں کا
وہی مالک ہے اس سارے جہاں کا
میں ہر ہر سانس اس کو سوچتا ہوں
اسی کو روز و شب میں کھوجتا ہوں
ہزار آئینہ اس کا ایک پہلو
اسی کے نور کا پرتو ہے ہر سو
تلاش اس کی ہے سوتے جاگتے میں
وہی منزل نشاں ہے راستہ میں
جدھر جائیں اسی کا نقشِ پا ہے
یہ دنیا کیا ہے اک حیرت کدہ ہے
نہ جانے کیوں ہے تو اتنا پریشاں
وجود اس کا ہے نزدیک رگِ جاں
نمازِ شوق پڑھ، کچھ جستجو کر
کبھی تو خونِ دل سے بھی وضو کر
نہیں دشوار جام وصل پینا
ہے شرط اتنی کہ وا ہو چشم بینا

غلام زبیر نازشؔ

نعت رسول مقبول ﷺ

آپ خیر الامم، آپ خیر الوریٰ، خاتم الانبیا خاتم الانبیاً
آپ ابرِ کرم، آپ ابرِ سخا، خاتم الانبیا خاتم الانبیاً

رحمتِ بزمِ کون و مکاں آپؐ ہیں، صاحبِ خُلق، فخرِ جہاں آپؐ ہیں
کر سکے کون رتبہ بیاں آپ کا، خاتم الانبیا خاتم الانبیاً

آپؐ ہیں رونقِ بزمِ اہلِ یقیں ، آپؐ کا ذکر نورِ دلِ مومنیں
آپ آقائے کل، آپ گنجِ وفا، خاتم الانبیا خاتم الانبیاً

روشنی کا ہے مینار ذات آپؐ کی، دشتِ عالم میں گلزار ذات آپؐ کی
آپ رحمت لقب، آپ شمس الضحیٰ، خاتم الانبیا خاتم الانبیاً

آپؐ فکرِ خلیلؑ و کلیمؑ و مسیحؑ ، آپؐ سا ذی حشم کوئی دیکھا نہیں
آپ کے ذکر میں محو ارض و سما، خاتم الانبیا خاتم الانبیاً

آپؐ کی گفتگو عنبریں عنبریں، آپؐ کا ہر سخن دلنشیں دلنشیں
آپ کی ذات قرآن کا آئینہ، خاتم الانبیا خاتم الانبیاً

آپؐ ماہِ عرب آپؐ مہرِ عجم ، آپؐ ہیں محترم، آپؐ ہیں محتشم
آپ کے در کا نازش ہے ادنیٰ گدا خاتم الانبیا خاتم الانبیاً

باغِ رضواں

نہروں کو مئے ناب کی ویراں چھوڑا
پھولوں میں پرندوں کو غزل خواں چھوڑا
افتادِ طبیعت تھی عجب آدم کی
کچھ بس نہ چلا تو باغِ رضواں چھوڑا

''اور ہم نے آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری زوج جنت میں رہو اور خوش ہو کر کھاؤ پیو مگر اس درخت کا رخ نہ کرنا ورنہ ظالموں میں شمار ہو گے۔ آخر کار شیطان نے ان دونوں کو درخت کی ترغیب دے کر ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا اور انہیں اس حالت سے نکلوا کر چھوڑا جس میں وہ تھے۔ ہم نے حکم دیا کہ اب سب یہاں سے اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہیں ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور وہیں گزر بسر کرنا ہے۔'' (البقرۃ: ۳۵۔۳۶)

حیات یا زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آدم کے دو رخ ہیں۔

★ ایک رخ کا نام مسلسل تبدیلی اور تغیر ہے

★ دوسرا رخ بظاہر تغیر نظر آتا ہے لیکن تغیر نہیں ہے۔

تغیر کے اوپر غور کیا جائے تو دنیا نام ہی تغیر کا ہے۔ صبح سے دوپہر، دوپہر سے شام، شام سے رات، رات سے صبح ــــ یہ ایسی بیلٹ (belt) ہے جو فلم کی طرح چل رہی ہے۔ بیلٹ جس محور پر گھوم رہی ہے اس میں تغیر نہیں ہے لیکن بیلٹ بذات خود تغیر ہے۔

منطقی استدلال کو ایک طرف کر کے سمجھا جائے تو سمجھنا آسان ہے۔ جب ہم زمین پر رسّی کے بل دے کر لٹو کو پھینکتے ہیں تو لٹو دائروں میں گھومتا ہے لیکن ساتھ ساتھ وہ آگے کی طرف بھی بڑھتا ہے۔ آگے کی طرف بڑھنا دائروں کی وہ شکلیں ہیں جو دائرہ بننے کے باوجود دائرہ نظر نہیں آتیں۔ اس بات کو دانشور طولانی اور محوری گردش سے بیان کرتے ہیں۔ اگر طولانی گردش کو تسلیم کر لیا جائے تو محوری گردش اور طولانی گردش دونوں نا قابل فہم بن جاتی ہیں۔ محوری گردش طولانی بنتی ہے اور طولانی گردش محوری بنتی ہے۔ محوری گردش دائرے کی شکل میں نظر آتی ہے اور طولانی گردش نیم دائرے کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔

ہر آسمانی کتاب میں، اور زیادہ وضاحت کے ساتھ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ طولانی اور محوری

گردش دونوں زندگی کے دو رخ ہیں لیکن محوری گردش طولانی گردش سے الگ نہیں ہوتی۔

زمین ایک سیارہ ہے۔ زمین کی طرح اربوں سیارے ہیں۔ ہر سیارہ آباد ہے۔ لیکن جو سیارے آباد نہیں سمجھے جاتے وہ بھی آباد ہیں۔ قانون قدرت پر تفکر کیا جائے تو کسی نہ کسی حد تک یہ راز کھلتا ہے کہ جو چیز جہاں سے چلتی ہے اس کی آخری منزل اس کی ابتدا ہوتی ہے۔ آغاز سے انتہا تک ایک بیلٹ ہے جو مخفی طور پر محوری ہے اور ظاہر وسائل میں طولانی ہے۔

محترم قارئین خواتین وحضرات! دماغ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ کھربوں خانوں سے بنا ہوا ایک اسٹور ہے۔ ہر خانہ تخلیقی رموز کا خزانہ ہے۔ مثلاً میں چار منزلہ سپر اسٹور میں جاتا ہوں۔ وہاں شیلف بنے ہوئے ہیں۔ الگ الگ اشیا یعنی صورتیں (اس لئے کہ ہم کسی شے کے لئے صورت کے علاوہ کوئی لفظ استعمال نہیں کر سکتے) رکھی ہوئی ہیں۔ اسٹور میں جتنی بھی اشیا اور آسائش کے وسائل ہیں وہ سب موجود ہیں۔

مجھے اجازت ہے کہ میں جو چیز چاہے جہاں سے اٹھالوں، کوئی پابندی نہیں۔ زرِ مبادلہ کا نظام نہیں ہے۔ ڈیوٹی فری اسٹور کی طرح پرائس فری اسٹور لیکن اسٹور میں سے مرضی کے مطابق ہر چیز کی ملکیت آپ کو حاصل ہے۔ ایک شرط کے ساتھ — شرط یہ ہے کہ آسائش و آرام اور لاشمار وسائل آپ کے لئے ہیں۔ مگر اسٹور کے ایک حصے میں جانا ممنوع ہے۔ وہ حصہ کیا ہے —؟

وہاں موٹا موٹا لکھا ہوا ہے — خطرناک (dangerous)! اس کا مفہوم کیا ہے —؟

یہ بورڈ اس بات کی تنبیہ (وارننگ) ہے کہ اس ممنوعہ علاقے کے قریب جانا منع ہے۔

پیارے دوستو! وضاحت کیجئے کہ یہ اسٹور کہاں واقع ہے —؟

اگر کبھی ہم وہاں تھے تو اب کہاں ہیں —؟

عرس مبارک
ابدال حق قلندر بابا اولیاءؒ

عرس کی مرکزی تقریب سے محترم عظیمی صاحب کا خطاب جو امریکا، برطانیہ، روس، سعودی عرب مشرق وسطیٰ، آسٹریلیا اور دیگر ممالک میں بھی دیکھا اور سنا گیا۔

کُل عمر گزر گئی زمیں پر ناشاد
افلاک نے ہر سانس کیا ہے برباد
شاید کہ وہاں خوشی میسر ہو عظیمؔ
ہے زیرِ زمیں بھی ایک دنیا آباد

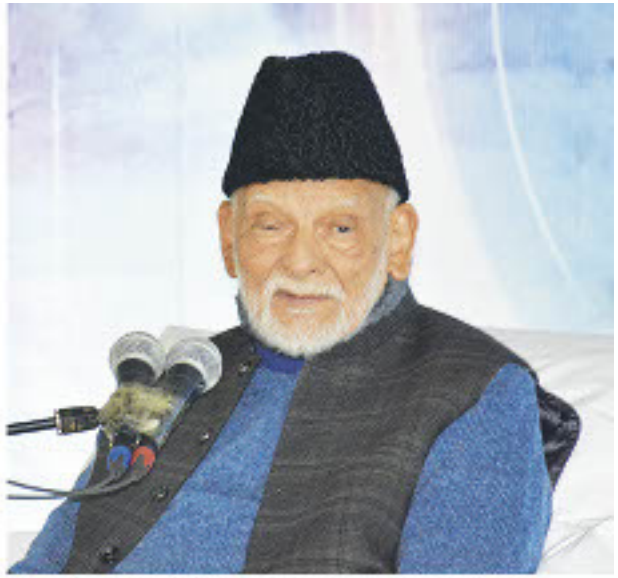

الشیخ ڈاکٹر عبدالہادی القصبی، صدر صوفیا کونسل مصر، رکن پارلیمنٹ

ڈاکٹر عامر یوسف، وائس چانسلر جامعہ الازہر مصر

چیئرمین ورکشاپ آبزرونگ کمیٹی، بریگیڈیئر (ر) شیر شاہ

مہمانان گرامی.....نونہال گروپ سے بات کرتے ہوئے

روحانی ورکشاپ بعنوان ''اسلام اور تصوف'' میں 1297 افراد شریک ہوئے

مصر سے آئے ہوئے
مہمانان گرامی کی
محترم عظیمی صاحب
سے ملاقات

عظیمی پبلک ہائر سیکنڈری اسکول کے بچوں کی جانب سے علمی کاوش

آج کی بات

عرس کے دن مرشد کریم کا خطاب

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر۔ جس طرح آپ نے رحمت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر۔ بے شک آپ حمید اور مجید ہیں۔
اے اللہ! برکت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر جیسا کہ آپ نے برکت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر۔ بے شک آپ حمید اور مجید ہیں۔

بزرگو، محبت کے پیکر دوستو! لختِ جگر بچو! اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر سچے دل سے عمل کریں۔ اللہ توفیق دیتا ہے مگر ان لوگوں کو جو اللہ سے رجوع کرتے ہیں، اللہ کے اوپر یقین رکھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا محبوب جانتے ہیں۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: ''کہہ دیجئے اللہ احد ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اس کا کوئی خاندان نہیں ہے۔'' (الاخلاص: ۱۔۴)

سورۂ اخلاص آپ کے سامنے مجھ عاجز بندے نے تلاوت کی۔ اس میں نوعِ انسانی کی، تمام مخلوقات کی اور اللہ تعالیٰ نے خود اپنی صفات بیان فرمائی ہیں۔ قل ھو اللّٰہ احد ــــ کہہ دیجئے اللہ ایک ہے، یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللّٰہ الصمد ــــ اللہ بے نیاز ہے۔ لم یلد ، ولم یولد ــــ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔

ولم یکن لہ کفواً احد ــــ اللہ کا کوئی خاندان نہیں ہے۔

الحمدللہ ــــ سورۂ اخلاص سب کو یاد ہے۔ ترجمے سے واقف ہیں۔ اس میں انسان کا، مخلوقات کا اور اللہ تعالیٰ کا تعارف ہے۔

قل ــــ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فرما دیجئے کہ اللہ احد ہے۔

احد کے مختلف تراجم لوگوں نے کئے۔ یگانہ، بے مثال، نرادھار، یکتا، لاشریک۔

کوئی اسے God کہتا ہے، کوئی اسے ایشور کہتا ہے، کوئی اسے یزدان کہتا ہے۔

اللہ ایک ہے جب کہ مخلوق ایک نہیں ہوتی۔

آج ہم سب ــــ میں، آپ غور کرتے ہیں کہ اللہ اور مخلوق کا رشتہ کیا ہے ــــ؟

اس کو پھر دہرایئے۔ اللہ فرماتا ہے وہ ایک ہے، دو، تین، چار، دس کچھ نہیں۔ واحد ہے، یکتا ہے، اس کا کوئی نسب نہیں!

اللّٰہ الصمد ــــ مخلوق محتاج ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔

لم یلد ، ولم یولد ــــ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔

ولم یکن لہ کفواً احد ــــ اللہ کا کوئی خاندان نہیں۔

احد ــــ تنہا ہے، اس کا خاندان، برادری نہیں ہے۔ وہ خود خاندان ہے، خود مالک ہے، خود محیط ہے، خود قادرِ مطلق ہے۔ خود حیات دیتا ہے، خود حیات کو تبدیل کر دیتا ہے۔ اگر ایک جگہ آدمی مرتا ہے، دوسری جگہ زندہ ہو جاتا ہے۔ آپ سوچیں اور بتائیں کہ خالق اور مخلوق کی صفات میں اللہ تعالیٰ نے کون سی ایسی صفت بیان کی ہے جو مخلوق اپنا سکتی ہے ــــ؟ اور جب مخلوق اس صفت کو اپنا لیتی ہے، اللہ سے رشتہ مستحکم ہو جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ لوگ اظہار خیال کریں۔ خواتین میں سے کوئی بتائے۔ ان پانچ صفات میں ایک صفت ایسی ہے جو مخلوق اپنا سکتی ہے، چار صفات مخلوق نہیں اپنا سکتی۔

(خواتین نے بآواز بلند کہا: صمد ــــ بے نیازی۔)

اللہ خالق ہے، رازق ہے، مالک ہے، زندہ اور قائم رکھنے والا ہے، قطرے سے تصویریں بناتا ہے۔ آپ کے اندر اللہ کو جاننے کا ذوق پیدا نہیں ہوتا ــــ؟

''وہی ہے جو تمہاری ماؤں کے رحموں میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے، بناتا ہے۔'' (آل عمران:۶)

اللہ کی صفت بے نیازی اپنانے والوں کو اللہ کی قربت حاصل ہوتی ہے۔

''ہم اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔'' (قٓ: ۱۶)

اللہ سے قربت ــــ اللہ کی تجلی کا دیدار یہ بالکل الگ بات ہے۔ جن لوگوں کو یہ علم حاصل ہوجاتا ہے اور وہ اس میں راسخ ہوجاتے ہیں، یقولون ــــ وہ کہتے ہیں، امنا بہ ــــ ہمیں اس بات پر یقین ہے، کل من عندربنا ــــ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے۔

سمجھنے کے لئے آپ ماضی میں جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ کائنات تخلیق ہو، کائنات میں جتنی تخلیقات ہیں وہ مجھے پہچانیں، ان کو یہ پتہ ہو کہ ہمارا خالق و مالک اللہ ہے۔ وہ اللہ کو دیکھیں، اللہ ان سے تخاطب فرمائے۔ یہ فرمائے، ہاں میرے بندے تو میرا بندہ ہے!

تخلیق کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسباب بنائے۔

''بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔'' (اٰل عمرٰن: ۳۷)

اللہ نے آپ کو بے حساب رزق عطا فرمایا ہے۔ رزق کا مطلب ہے وسائل۔ زمین کو گل زار بنا دیا۔ زمین کو پابند کر دیا کہ آدم کی خدمت کرے۔ آدم کو اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ کروڑوں سال سے اس خدمت کا سلسلہ کیا ہے۔ آپ بتائیں جس زمین پر ہم رہتے ہیں وہ سخت پہاڑ بن جائے، کیا ہمارا وجود قائم رہ سکتا ہے ــــ؟ زمین ہماری ماں ہے۔ زمین مٹی نہ دے، گھر نہیں بن سکتا۔ زمین بنجر ہوجائے، ایک پتّا نہیں اُگ سکتا، خورونوش کا سامان مہیا نہیں ہوتا۔ جب پانی کی ترسیل رکتی ہے، زمین بنجر ہوجاتی ہے۔

''وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے تمہارے رزق کے لئے طرح طرح کے ثمرات پیدا کئے۔'' (ابرٰھیم: ۳۲)

زمین خشک پتھر ہوجائے، اس میں کیا چیز اُگے گی ــــ؟ (حاضرین: کچھ بھی نہیں۔)

اور اگر پانی نابود ہوجائے، بارش نہ برسے پھر ــــ؟ (حاضرین: قحط پڑ جائے گا۔)

آپ لوگ جانتے ہیں کہ زمین میں تین حصے پانی ہے، ایک حصہ خشکی ہے۔ سمندر میں

جب مدوجزر رہوتا ہے اور سمندر پُرجوش ہوتا ہے تو لہریں اٹھتی ہیں ۔لہریں پچاس ساٹھ فٹ کی ہوسکتی ہیں اور کم بھی ہوتی ہیں ۔ اگر لہریں بادل نہ بنیں ، کیا بارش برسے گی ؟ سمندر میں جب بھی مدوجزر آئے گا، وہاں آندھی کے طوفان چلیں گے تاکہ وہ پانی کو اٹھا کر اوپر لے جائے ۔ہوا ذرّات کو اٹھاتی ہے اور ذرّات فضا میں ایک مقام پر پہنچ کر برف بن جاتے ہیں ۔

سوچئے برف نہ جمے اور سورج کی تپش موجود رہے کیا ہوگا ـــ ؟

اور برف جمی ہوئی ہے، سورج کی تپش نہیں، سوچئے کیا ہوگا ـــ ؟

زمین کے اندر مدوجزر کا قانون ہے ۔ زمین اپنی ذات میں کسی سے ملنا چاہتی ہے ۔لہر کبھی نیچے گئی ہے ـــ ؟ لہر ہمیشہ اوپر جاتی ہے ۔ جیسے ہی وہ اوپر جائے ، وہاں ہوا اس کو توڑ کر چھوٹے چھوٹے ذرّات میں تبدیل کرکے پہاڑ بنادے گی ، پہاڑ پر جم جائے گی یا اوپر اٹھ کر بادل بن جائے گی ۔اس لئے سمندر میں بارش بہت ہوتی ہے ۔

بارش برسنے سے زمین کے اندر پانی کا لیول بڑھتا ہے ۔ لیول بڑھنے سے کنواں کھودنے میں آسانی ہوئی ، پانی دستیاب ہوا، تپش ہوئی ، برف پگھلی ، ہوا چلی ۔ زمین کی پیاس بجھی ۔ پیاس بجھنے سے توانائی پیدا ہوئی ، اس توانائی سے گندم نکلی ، اس توانائی سے کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کے وسائل ظاہر ہوئے اور اس توانائی سے سمندر بنے ۔

دنیا میں تین حصے سمندر ، ایک حصہ خشکی ہے ۔ جو حصہ خشک ہے اس میں جان دار چیزیں رہتی ہیں لیکن ـــ غور طلب یہ ہے کہ جان دار چیزیں سمندر کے اندر بھی رہتی ہیں ۔ پھر بارش کا نظام، ہوا کا نظام ، آندھی کا نظام ، زمین کی سیرابی کا نظام ، سیرابی کے نتیجے میں زمین کی خدمات کا نظام کیا ہے ـــ ؟ بارش نہ ہو، زمین سبزہ زار ہوگی ؟ کیا زمین میں پانی ہوگا ؟ چار سو (400) فٹ تک ہم نے عظیمی قبرستان میں کھدائی کروائی کہ پانی نکل آئے لیکن کامیابی نہیں ہوئی ۔

• • ـــــــــــــــــــــ • •

کائناتی سسٹم پر غور کریں کہ یہ اللہ نے کیوں بنایا ہے، کس کے لئے بنایا ہے ـــ ؟

اللہ بھوک، پیاس، بیماری، صحت، سونا، جاگنا، اولاد، شادی بیاہ سب سے ماورا ہے۔ شماریات سے زیادہ یہ نظام مخلوق کی ضرورت ہے۔ مخلوق مجبور ہے کہ male بھی ہو female بھی ہو۔ مخلوق مجبور ہے کہ اس کے لئے غذا ہو۔ مخلوق مجبور ہے کہ زندگی کے لئے فضا میں آکسیجن ہو۔ مخلوق مجبور ہے کہ اسے نیند آئے۔ جب کہ نیند دور کی بات ہے، اللہ کو اونگھ نہیں آتی۔ آخر یہ پورا نظام کس لئے ہے، کس کے لئے ہے، کبھی سوچا ہے ــــ؟

ہم اچھے سے اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ کپڑے کے وسائل نہ ہوں، سوت نہ ہو، روئی نہ ہو، ریشم نہ ہو، مخمل نہ ہو، پٹ سن نہ ہو، چمڑا نہ ہو، کپڑے کیسے پہنیں گے ــــ؟ ماں کو اللہ تعالیٰ روزی کا ذریعہ بناتا ہے۔ ماں روزی کا ذریعہ نہ بنے، آپ غور کریں بچوں کا کیا بنے گا ــــ؟ کتنا عجیب نظام ہے جب بچے کو ضرورت نہیں ہوتی، ماں کا دودھ خشک ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اول ہے، آخر ہے، ظاہر ہے، باطن ہے۔ مخلوق کیا ہے ــــ؟ مخلوق اول، آخر، ظاہر اور باطن کی تفسیر ہے۔ اگر جسمانی نظام independent ہے پھر بھوک پیاس، سونا جاگنا اور مرنا کیا ہے ــــ؟ ناک ہے، آنکھ ہے، کان ہیں، دماغ ہے، بارہ کھرب سیلز ہیں، پیٹ ہے، ہاتھ ہیں، پیر ہیں، کیا مرنے کے بعد ان میں حرکت ہوتی ہے ــــ؟

آدمی نافرمانی کے نتیجے میں جنت سے نکالا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تمہاری خطائیں معاف لیکن تم جنت میں نہیں رہ سکتے۔

خواتین وحضرات! جب ہاتھ جل جاتا ہے تو آپ اس کا علاج کرتے ہیں پھر بھی نشان رہتا ہے۔ چوں کہ نافرمانی ہوگئی، قانون ٹوٹ گیا۔ اللہ نے فرمایا، تم سب اتر جاؤ۔ اب ذلت ومسکنت، پریشانی، بدحالی اور بیماریاں تمہارا تعاقب کریں گی اور تم ان کے تعاقب میں زندگی گزارو گے۔ سب کچھ ہوگا، سکون نہیں ہوگا۔ سب کچھ ہوگا خوف سے نجات نہیں ملے گی۔ سب کچھ ہوگا یقین کی دنیا روشن نہیں ہوگی۔ سب کچھ موجود ہے لیکن آپ کسی بھی شے میں ملکیت کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ آدمی کچھ ساتھ لاتا ہے نہ لے جاتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے

اربوں کھربوں روپے جس کے پاس ہیں وہ بھکاری بھی بن جاتا ہے اور جس کے پاس کچھ نہیں ہے اس کے لنگر چل پڑتے ہیں۔

نیند نہ آئے کیا ہم پاگل نہیں ہو جائیں گے ــــ؟ نیند کا غلبہ اتنا ہو جائے کہ بیداری محیط نہ ہو آدمی سوتا رہے گا۔ بھوک پر آپ کو اختیار نہیں۔ پیاس پر آپ کو اختیار نہیں۔ پیدائش پر آپ کو اختیار نہیں۔ کیا اختیار کی کوئی مثال ہے ــــ؟ آپ خواتین وحضرات کچھ بولیں کہ معلوم ہو میرے سننے والے سو نہیں رہے۔

(خواتین وحضرات نے اقرار کیا کہ اختیار نہیں ہے۔)

ہم تو کہتے ہیں کہ ہم با اختیار ہیں ــــ؟ بھوک میں آدھی روٹی پر گزارہ ہو جائے گا لیکن آدھی روٹی بھی جب ہوگی جب گندم پیدا ہوگی۔ آنکھوں کا میکانزم دیکھیں، آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ کیا دیکھنا آپ کا اختیاری ہے ــــ؟ آواز سے بتاؤ دیکھنا آپ کا اختیاری ہے ــــ؟

(حاضرین نے ایک آواز میں جواب دیا، نہیں۔)

بولنا آپ کا اختیاری ہے ــــ؟ (حاضرین: نہیں)

سونگھنا آپ کا اختیاری ہے ــــ؟ (حاضرین: نہیں)

اگر اختیاری ہے تو مرا ہوا آدمی کیوں نہیں سنتا ــــ؟ ڈیڈ باڈی قبر میں اتارتے ہیں، کچھ عرصے بعد قبر کھول کر دیکھیں، کچھ نہیں ہوتا۔ اور دن گزر جائیں، ہڈیوں کی راکھ بھی نہیں ملتی۔ چھ فٹ کا آدمی قبر میں لٹا کر آئے، وہ مٹی میں تبدیل ہو گیا۔ مٹی میں تبدیل ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ہاتھ میں گھڑی ہے لیکن اس میں چابی نہیں۔ اصل چابی ہے یا گھڑی ہے ــــ؟

بتایئے کیا دنیا میں کوئی شے ذاتی اختیار رکھتی ہے ــــ؟ خواتین وحضرات کے اس ہجوم میں کوئی ایک تو جواب دے۔ آپ خود پیدا ہو سکتے ہیں ــــ؟ خود جوان ہو سکتے ہیں ــــ؟ خدانخواستہ آنکھیں نہ ہوں کیا آنکھیں واپس لا سکتے ہیں ــــ؟ زندگی میں کوئی ایک اختیار تو

بتائیں ــــ؟ لیکن اختیار ہے! اوراس اختیار کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''اللہ کسی بندے کواس کی سکت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔'' (البقرۃ: ۲۸۶)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کواختیار دیا ہے لیکن اختیار کس نے دیا ــــ؟

(خواتین وحضرات نے بیک آواز کہا، اللہ نے۔)

جب اللہ نے آپ کواختیار دیا ہے تو اختیار اللہ کا دیا ہوا ہے۔آپ کو پیدائش پر اختیار ہے نہ جوان ہونے پر، بڑھاپا روکنے پر نہ مرنے پر۔کسی بندے کواس کی سکت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔سکت کیا ہے ــــ؟ جسم میں جان نہ ہو، کیا سکت زیر بحث آتی ہے ــــ؟ اندر کی مشین پر غور کریں ــــ دل، پھیپھڑے، تلی، گردے، پتّا، سب فنکشن ہیں۔پھر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی فنکشن باقی نہیں رہتا۔مرے ہوئے آدمی کا پوسٹ مارٹم کریں، تمام اعضا ہوں گے، حرکت نہیں ہوگی۔اصل جسم ہوا یا حرکت ہوئی ــــ؟ (حاضرین: حرکت)

اجتماعی طور پر آپ کا کہنا ہے کہ حرکت اصل ہے۔کوئی حرکت دے گا تو حرکت ہوگی نا۔ حرکت کیا ہے ــــ؟ زندگی ہے اور زندگی کس کے ہاتھ میں ہے ــــ؟

(خواتین وحضرات کے ہجوم نے کہا، اللہ کے ہاتھ میں ہے۔)

ہم اللہ کی دی ہوئی زندگی کے ساتھ زمین پر چل پھر رہے ہیں۔زمین ایثار نہ کرے، کیا قبرستان آباد ہوں گے ــــ؟ جب فرد کے اندر جان نہ ہو اور تعفن کے علاوہ کچھ نہ رہے، زمین اس کو چھپاتی ہے۔لاش پڑی رہے، سب کو پتہ ہے کیا حشر ہوتا ہے۔پہلے بدبو پھر کتے بلی کھائیں گے، چیلیں کھائیں گی، کوّے کھائیں گے۔اللہ نے ہماری ڈیڈ باڈی کی حفاظت کی ہے اور ہمیں یہ بھی پتہ نہیں کہ ڈیڈ باڈی کے اندر جو شے اب نہیں ہے، وہ کیا ہے۔

خوشی ہوتی ہے۔خوشی کو کوئی لفظوں میں بیان کرسکتا ہے ــــ؟ ماشاء اللہ اتنے لوگ موجود ہیں، غم کو کوئی الفاظ میں بیان کرسکتا ہے ــــ؟ صورت سے جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ہم دشواری، پریشانی، راحت اور تکلیف محسوس کرتے ہیں، ہمیں نہیں پتہ کہ راحت کیا ہے، تکلیف

کیا ہے۔ بلڈ پریشر high یا low ہوجائے، ہم کہتے ہیں کہ تکلیف ہے۔ بلڈ پریشر نارمل ہوگیا تو کہتے ہیں تکلیف نہیں ہے۔ سوچنا یہ ہے کہ جسم میں دل ہونے کی غرض و غایت کیا ہے — ؟

حدیث قدسی ہے،

''میں چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے محبت کے ساتھ مخلوق کو تخلیق کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں۔''

کنزا کہتے ہیں خزانے کو۔ مخفی کہتے ہیں چھپے ہوئے کو۔ اللہ نے محبت کے ساتھ مخلوق در مخلوق تخلیق کی۔ کائنات بالخصوص آدم کو پیدا کیا تاکہ وہ اللہ کو پہچانے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں ہر چیز پر قدرت رکھتا ہوں چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ہی ابتدا ہوں، میں ہی انتہا ہوں، میں ہی ظاہر ہوں، میں ہی چھپا ہوا ہوں۔ کسی بھی مخلوق کا تجزیہ کریں — ابتدا ہوگی، انتہا ہوگی، ظاہر ہوگا، چھپا ہوا ہوگا۔ نئی نئی سائنسی ایجادات ہورہی ہیں، یہ چھپی ہوئی ہیں زمین میں، لوہے میں۔

''اور لوہا نازل کیا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لئے فوائد ہیں۔'' (الحدید: ۲۵)

جو لوگ کھوج لگاتے ہیں، تلاش کرتے ہیں، لوہے کے فوائد سامنے آتے ہیں۔ لوہا اپنی صلاحیت کا اظہار خود کرتا ہے جو دماغ کی اسکرین پر نظر آتا ہے۔ لوہا کہتا ہے میرے اندر یہ صلاحیت ہے، میرے اندر یہ صلاحیت ہے، میرے اندر وہ صلاحیت ہے۔ جب کہ ہم کہتے ہیں ہمارے اندر صلاحیت ہے۔ حاضرین اس رمز پر غور کریں۔ یعنی لوہا اپنی صلاحیت کو ظاہر کررہا ہے۔

ہر شے صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ اس کا مطلب کیا ہے — ؟ کائنات میں ہر شے باشعور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کُن فرمایا، جتنی مخلوقات تھیں سب نے سنا۔ ہوجا! وجود میں آجا۔ وجود ظاہر ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، الست بربکم — کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اجتماعی طور پر مخلوق نے کہا، قالوا بلیٰ — جی ہاں! آپ ہمارے رب ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ تکلم فرمایا، مخلوق نے اللہ کی آواز سنی اور تجلی کا دیدار ہوا۔

الست بربکم کے سوال پر سب نے کہا، جی ہاں! آپ ہمارے رب ہیں۔ ہمارے پیدا کرنے والے ہیں۔ ہمیں وسائل عطا فرمانے والے ہیں۔ سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی فراہم کی۔ پھلوں میں مٹھاس پیدا کی۔ دریا، سمندر، ندی، نالے بہا دیئے۔ آسمان کو بروج سے سجایا۔ زمین کو ماں بنا دیا۔ خورونوش کا انتظام کیا۔ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ کیا کوئی ماں کے دودھ کا حساب کتاب کر سکتا ہے___؟

• • ———————— • •

''کہہ دیجئے اللہ احد ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اس کا کوئی خاندان نہیں ہے۔'' (الاخلاص: ۱۔۴)

(قانون) خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مخلوق___ مخلوق سے نیازمندی چھوڑ کر اللہ کی نیازمند ہو جائے۔

اللہ کا نیازمند ہونا کیا ہے___؟ اللہ آپ کو پیدا کرتا ہے۔ کسی کو نہیں پتہ کہ ہمیں بھنگی کے ہاں پیدا ہونا ہے، چمار کے ہاں پیدا ہونا ہے، بادشاہ کے ہاں پیدا ہونا ہے۔ اگر پوچھ کے پیدا کیا جائے، بتایئے بادشاہ کے علاوہ کوئی نام لے گا___؟

بے نیازی کا مطلب ہے کہ اللہ کو کسی شے کی ضرورت نہیں۔ بے نیازی یہ ہے کہ مخلوق اپنی تمام ضروریات کا کفیل، دروبست واحد ذات اللہ کو سمجھے (جیسا کہ ہے)۔

بتایئے کون سی ایسی شے ہے جو آپ استعمال کرتے ہیں اور وہ اللہ کی عطا کردہ نہیں ہے؟ کون سی ایسی ضرورت ہے جس کے پورا ہونے کا اللہ کو معاوضہ دیا جاتا ہے؟ اللہ بے نیاز ہے۔ مخلوق اللہ کے ساتھ ذہنی وابستگی قائم کر لے، اس کے اندر اللہ کی نیازمندی مستحکم ہو جائے گی۔ جب اللہ کی نیازمندی مستحکم ہوگئی تو بندہ اربوں کھربوں مخلوقات سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ علم میں راسخ لوگ جان لیتے ہیں کہ نیازمندی کیا ہے۔ وہ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ مخلوق، مخلوق کے کام نہیں آسکتی۔ مخلوق اگر مخلوق کے کام آتی ہے تو اللہ تعالیٰ ذہن میں ڈالتا ہے کہ اس کی خدمت کرو۔ آپ کے ذہن میں خدمت کا خیال نہ آئے، کیا کوئی آدمی خدمت کرے گا___؟

کبھی سوچا ہے خیالات کہاں سے آرہے ہیں، اگر خیالات نہ آئیں تو زندگی کیا ہے ــــ؟

(پنڈال میں pin drop silence تھا۔)

کیا زندگی خیالات کے اوپر depend نہیں کرتی؟ میں جواب چاہتا ہوں۔

(اجتماعی طور پر آواز بلند ہوئی: زندگی خیالات کے اوپر depend کرتی ہے۔)

جب خیال کے علاوہ کچھ نہیں ہے تو خیال کہاں سے آتا ہے، کون ڈالتا ہے خیال ــــ؟

(پنڈال میں شرکا نے جواب دیا، اللہ تعالیٰ۔)

اگر آپ لوگ اس بات کو سمجھ گئے ہیں تو میں اس کو ختم کرتا ہوں۔ خواتین میں سے کوئی بتائیں کہ پوری گفتگو کا خلاصہ کیا ہے۔ میں نے سورۂ اخلاص پڑھ کر سنائی ہے اس سے آپ لوگ کیا سمجھے۔ مَردوں میں بتادیں کوئی۔

(حضرات نے کہا، اللہ کا مخلوق سے محبت کا رشتہ ہے۔)

یہ سب جانتے ہیں۔ اللہ نے پیدا کیا، وہی موت دیتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرتا ہے۔

میں نے اتنی دیر بات کی اس کا خلاصہ کیا ہے، بس یہ بتادیں۔

(خاتون۔۱ : آپ نے بتایا کہ سورۂ اخلاص میں چار صفات مخلوق کی نہیں ہوسکتیں لیکن بے نیازی والی صفت کسی حد تک انسان کے اندر پیدا ہوسکتی ہے، اگر وہ ہر چیز کیئر آف اللہ استعمال کرے اور اللہ کو پہچاننے کی کوشش کرے۔)

کوئی اور صاحب ــــ؟

(خاتون۔۲ : ہم نے یہ سمجھا ہے کہ ہمارے اختیار میں کچھ نہیں۔ ہم خیال کے تابع ہیں۔)

عظیمی صاحب نے مسکرا کر فرمایا، بیٹا! خیال بھی تو اللہ ہی ڈالتا ہے۔

مَردوں میں سے کوئی نہیں اٹھ رہا۔

(ایک صاحب کھڑے ہوئے اور بتایا، سورۂ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات بیان ہیں۔ ان میں توکل ایسی صفت ہے جسے بندہ اپنا سکتا ہے۔ جتنے اعمال ہیں، خیال کے تابع

ہیں اور خیال اللہ کی طرف سے آتا ہے۔ حرکت بھی اللہ کی طرف سے ہے۔)

وہ حرکت بھی خیال ہے نا بیٹا۔ حرکت بھی خیال ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو بہت خوش رکھے۔ خوشی کے ساتھ روحانی علوم سیکھنے کی طرف زیادہ سے زیادہ ہدایت دے اور زیادہ سے زیادہ آپ کے اوپر راستے کھولے۔

''جو لوگ مجھ میں جدوجہد کرتے ہیں، میں ان کے لئے اپنی راہیں کھول دیتا ہوں۔''

(العنکبوت: ۶۹)

جو لوگ اللہ کی معرفت چاہتے ہیں کہ اللہ نے کس مقصد سے پیدا کیا، پہلے عالمِ ارواح کا مرحلہ آیا پھر لوحِ محفوظ، لوحِ محفوظ سے برزخ میں، برزخ سے ناسوت میں، ناسوت سے عالمِ اعراف میں، اعراف سے یوم الحساب میں۔ اس کے بعد جنت دوزخ ــــ یہ سب مقامات اللہ نے اس لئے بنائے ہیں کہ ہم اللہ کی کبریائی کا اظہار کریں تا کہ اللہ سے رشتہ مستحکم ہو۔

راسخ فی العلم خواتین وحضرات کو مشاہدہ ہوتا ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے۔ علم میں راسخ ہونے سے واپس جنت میں جانے کا راستہ کھلتا ہے۔ اگر ہم نے شرط پوری نہیں کی، اللہ رحیم وکریم ہے، جو چاہے کرے۔ سوچئے اُس وقت ہماری حیثیت کیا ہے ــــ؟

•• ———————— ••

آپ دور دراز سے تشریف لائے۔ حضور قلندر بابا اولیاؒ کا عرس آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنا منصب تلاش کریں۔

''اور ہم نے آدم سے کہا، تم اور تمہاری زوج جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو خوش ہو کر کھاؤ پیو۔ مگر اس شجر کا رخ نہ کرنا ورنہ ظالموں میں شمار ہو گے۔'' (البقرۃ: ۳۵)

سوچئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ خوش ہو کر کھاؤ پیو۔ خوشی جنت کا وصف ہے۔ خوشی سے ناواقف خواتین وحضرات ــــ؟

شجر کا مطلب یہ ہے کہ پتّوں میں پتّے، شاخ در شاخ اور پھل۔ یہ وہ سوچ ہے جس میں

illusion ہے۔ابھی درخت بھرا ہوا ہے آموں سے، اور اب ایک بھی نہیں ہے۔ پھر بھر گیا پھر خالی ہے۔ یہ reality ہے یا illusion ہے—؟

(پنڈال میں پُرہجوم آواز گونجی، illusion)

میں پیدا ہوا، دس دن کا ہوا، دس سال کا ہوا، بیس سال کا ہوا، پچاس سال کا ہوا۔ مجھے نہیں پتہ کہ میرے وہ دس، بیس، پچاس سال کہاں گئے۔ آپ کو پتہ ہے—؟

جب ہمیں نہیں پتہ ہم کہاں سے آئے، کہتے ہیں کہ عالم ارواح سے۔ عالم ارواح کا کچھ پتہ ہے کہ وہ ہے کیا—؟ یہاں سے کہاں جائیں گے—؟ بزرگ فرماتے ہیں کہ جب تک اللہ کے اوپر یقین کی تکمیل نہیں ہوتی اس وقت تک یہ مقامات ظاہر نہیں ہوتے۔

روحانیت کا مقصد ہے کہ دروبست اپنے آپ کو اللہ کے تابع کر دیں اور اقرار کریں کہ اللہ ہی روزی دیتا ہے، اللہ ہی پیدا کرتا ہے، اللہ ہی اس دنیا سے دوسری دنیا میں لے جاتا ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ جو کام کریں اس کو کیئر آف اللہ کریں۔ خود بہ خود سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔

سب کہتے ہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے، ہر وقت دیکھ رہا ہے۔

جب گناہ کرتے ہیں اس وقت کیوں یاد نہیں آتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے—؟

کسی کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اس وقت کیوں نہیں یاد آتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے—؟

اگر اس وقت مشاہدہ ذہن نشین ہو جائے کہ اللہ دیکھ رہا ہے تو انشاء اللہ 99 فی صد لوگ ''صراط مستقیم'' پر قائم ہو جائیں گے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

26ویں روحانی ورکشاپ

روحانی ورکشاپ ــــ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کے تین روزہ عرس کی تقریبات کے موقع پر ہر سال 26 جنوری کو مرکزی مراقبہ ہال کراچی میں منعقد کی جاتی ہے۔ سال 2020ء میں روحانی ورکشاپ کا موضوع ''اسلام اور تصوف'' تھا جس میں پاکستان سمیت مختلف ممالک سے 1297 خواتین وحضرات نے شرکت کی۔ رواں سال مہمانانِ خصوصی مصر کی صوفیا کونسل کے صدر اور رکن پارلیمنٹ الشیخ ڈاکٹر عبدالہادی احمد القصبی اور اسلامی دنیا کی قدیم درس گاہ جامعہ الازہر مصر کے وائس چانسلر ڈاکٹر عامر یوسف تھے۔

قابلِ قدر مہمانانِ گرامی نے مرکزی مراقبہ ہال کراچی میں دو دن قیام کیا۔

مصر کی صوفیا کونسل کے صدر اور رکن پارلیمنٹ الشیخ ڈاکٹر عبدالہادی احمد القصبی نے روحانی ورکشاپ کے شرکا سے خطاب میں کہا کہ ایسے وقت میں جب مسلم امہ بقا کی کوشش میں ہے، اس روحانی ورکشاپ کا انعقاد بہت اہم ہے۔ اقوام عالم نے اب تک توجہ مادیت پر مرکوز رکھی۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بقا کا اس کے علاوہ کوئی طریقہ نہیں کہ مسلم امہ اور سارے لوگ باطن کی طرف متوجہ ہوجائیں۔ یہی اسلام اور ایمان ہے اور یہی تصوف ہے۔ انہوں نے کہا کہ تصوف کی تعلیمات قرآن اور سنت کی تفہیم ہیں۔ تصوف کے اصول، معانی اور مفاہیم کا طریقہ اہلِ صفہ سے آیا ہے۔ تصوف توبہ سے شروع ہوتی ہے اور معرفت تک لے جاتی ہے۔ باطنی اہمیت کو نمایاں کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالہادی کا کہنا تھا کہ روح کی حیات اصل ہے جو خوش حالی اور اللہ سے تعلق کا ادراک دیتی ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ جس نے میری طرف توجہ کی، اس نے عبادت کی اور وہ ولی بنا۔ وہ میری سماعت سے سنتا ہے اور میری بصارت سے دیکھتا ہے۔ ایسا بندہ وہ چیزیں بھی دیکھ سکتا ہے جو دوسرا شخص نہیں دیکھتا اور وہ چیزیں بھی سن سکتا ہے جو دوسرا بندہ نہیں سنتا۔ ڈاکٹر عبدالہادی کا کہنا تھا کہ پاکستان میں بڑی تعداد میں صوفیائے کرام ہیں جنہوں نے اپنے طلبا میں اللہ کی محبت منتقل کی۔ دعا ہے کہ اللہ پیارے پاکستان کو ہمیشہ سلامت رکھے، آمین۔

جامعہ الازہر کے وائس چانسلر ڈاکٹر عامر یوسف نے روحانی ورکشاپ کا انعقاد قابل تحسین قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ میں محترم خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ مجھے روحانی ورکشاپ سے مستفید

ہونے کا موقع فراہم کیا۔ اسلام کا لفظ دراصل سلامہ سے مشترک ہے، معنی امن وامان کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سرزمین پاکستان امن وامان کا گہوارہ رہے۔ اپنے ملک مصر اور مادرِ علمی جامعہ الازہر کے رفقائے کار کی طرف سے ہدیۂ تہنیت اور سلام پیش کرتا ہوں۔ ڈاکٹر عامر یوسف نے شرکا سے خطاب میں روحانی ورکشاپ کے عنوان پر تفصیلی روشنی ڈالی اور کہا— اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔ شکل وصورت کی خوب صورتی کے بعد اللہ نے چاہا کہ اس کے باطن کو بھی خوب صورت بنائے اور روح کی ایسی تعمیر کرے کہ وہ مادے اور جسم کی پستی سے بالاتر ہو جائے، اور حسّی اور معنوی اعتبار سے خوب صورت شکل میں رونما ہو۔ انہوں نے کہا کہ بندے اور رب کے درمیان روحانی رابطہ ہے جس سے ایمان مضبوط ہوتا ہے اور بندہ یقین حاصل کر کے خیر پر مبنی کام کرتا ہے۔

جی سی یو فیصل آباد کے صدر شعبہ اسلامیات پروفیسر ڈاکٹر غلام احمد شمس الرحمٰن نے بھی شرکا سے خطاب کیا۔

روحانی ورکشاپ میں پاکستان کے 47 شہروں سمیت برطانیہ، امریکا، کینیڈا، سعودی عرب، مشرق وسطیٰ، بحرین، سربیا، سپرس، جاپان ودیگر ممالک سے لوگ شریک ہوئے۔ خواتین کی تعداد 650 اور 647 حضرات تھے جب کہ آن لائن مذاکرے میں 60 افراد شامل ہوئے۔ شعبوں کے حوالے سے خواتین وحضرات کی تفصیل یہ ہے۔ طالب علم (330)، اساتذہ (125)، بزنس مین (97)، طب (59)، انفارمیشن ٹیکنالوجی (40)، اکاؤنٹس (27)، مارکیٹنگ (23)، مینجمنٹ (16)، زراعت (11)، شعبہ تعمیرات (7)، رئیل اسٹیٹ (7)، قانون (9)، گھریلو خواتین (158) اور دیگر شعبہ جات (388)۔ سال 2020ء میں 50 نونہال شریک ہوئے۔ مذاکرے کے اختتام پر پاکستان کے قابل قدر اداروں سے منسلک روحانی ورکشاپ آبزرونگ کمیٹی کے افراد نے پہلی تین پوزیشن کا تعین کیا۔ روحانی ورکشاپ آبزرونگ کمیٹی کے چیئرمین بریگیڈیئر (ر) شیر شاہ تھے۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کے عرس کی تین روزہ تقریبات میں علمی سرگرمیوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ عظیمی پبلک ہائر سیکنڈری اسکول کے بچوں نے علمی اسٹال لگائے۔ باطنی علوم سے متعلق دستاویزی فلمیں بھی پیش کی گئیں۔

27 جنوری کی صبح زائرین نے ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کے مزار پر حاضری دی، فاتحہ خوانی کی اور پھولوں کی چادر چڑھائی۔ عرس کی مرکزی تقریب 27 جنوری کی شب منعقد ہوئی۔ خانوادہ سلسلہ عظیمیہ محترم خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے ہزاروں زائرین سے خطاب فرمایا۔ خطاب لائیو اسٹریمنگ کے ذریعے کئی ممالک میں دیکھا اور سنا گیا۔

فقیر کی ڈاک

تفکر ـــ ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ غور وفکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی ـــ عرفان نفس اور معرفت الٰہی ہے۔ ''فقیر کی ڈاک'' اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ذہن کی پرتوں کو کھول کر لاشعور کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

جناب عظیمی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

گزارش ہے میرے حال پر رحم کر کے مشورے سے نوازیں۔ ہر وقت سستی اور پریشانی میں گرفتار رہتا ہوں۔ نماز پڑھتے وقت نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ کسی کام کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، سر چکراتا ہے، دنیا گھومنے لگتی ہے، جسم پر لرزہ طاری ہوتا ہے اور قوتِ عمل مفلوج ہو جاتی ہے۔ میری مدد کیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دیں گے۔

شکریہ۔ د۔م (میر پور خاص)

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ،

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں انسان کے بارے میں چار باتیں ارشاد کی ہیں:

۱۔ انسان جلد باز ہے۔ ۲۔ انسان ناشکرا ہے۔

۳۔ جاہل ہے۔ ۴۔ اور ظالم ہے۔

ان الفاظ کی روشنی میں اپنی ذات کو جانچیے۔ اپنی طبیعت کو پرکھیے اور ہمیشہ خوش رہیے کیوں کہ اللہ کا منشا یہ ہے کہ بندہ ان باتوں کو سامنے رکھ کر ناشکری، جلد بازی، جہالت اور ظلم سے باز رہے۔ جس وقت ان چیزوں سے الگ ہو گئے تو اب صرف خوشی باقی رہ گئی۔ جب زندگی کا طرزِ عمل اس بنیاد پر مستحکم ہو جاتا ہے، پھر کوئی بات ناخوش نہیں کر سکتی اور یہی تمام مسائل کا حل ہے۔ جلد بازی اور ناشکری کا نتیجہ ذہنی کشاکش اور دماغی کشمکش ہے۔ وجہ معلوم نہ ہونا جہالت ہے اور جہالت میں گرفتار رہنا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔

دعا گو، عظیمی (8 دسمبر 1969ء)

نامے میرے نام

کرم فرما خواتین وحضرات نے ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو دل کی گہرائیوں سے نہ صرف پسند کیا ہے بلکہ قبول فرما کر روپ بہروپ کو دلہن کا روپ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قارئین کی خدمت کی توفیق دیں۔ رابطے کے قدیم وجدید وسائل کے ذریعے موصول ہونے والے خطوط میں سے منتخب خطوط شائع کئے جارہے ہیں۔

★ جنوری 2020ء میں ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کی تحریر ''انسان کیا ہے ــــ؟'' پر قارئین کا تفکر:

نادیہ حسین (متحدہ عرب امارات): کچھ بننے کے لئے ہمیں اس شے کو اپنی طبیعت میں رفتہ رفتہ جذب کرنا پڑتا ہے۔ مصور جب تک خدوخال کو جذب نہ کرے، تصویر نہیں بنتی۔ معنی یہ ہیں کہ کچھ پانے کے لئے ہر مقام پر اپنی نفی کی جاتی ہے۔ جن چیزوں کو جذب کرتے ہیں، وہ ہمارے اندر ہیں اسی لئے جذب ہورہی ہیں۔ یہ دنیاوی علوم کی بات ہے اور یہی طریقہ روح کے عرفان کا ہے۔

جنت بی بی (سعودی عرب): تحریر پڑھ کر ذہن میں سوالات ہیں کہ مرنے کے بعد آدمی کہاں چلا جاتا ہے، مرنے سے پہلے کہاں سے آتا ہے، دوسری دنیائیں کہاں پر ہیں، کیا یہ سب ذہن میں ہیں، ذہن کہاں پر ہے، ہم اُس دنیا سے اِس دنیا میں کون سی سواری کے ذریعے آتے ہیں اور کون سی سواری ہمیں یہاں سے لے جاتی ہے؟

عون نقوی (لاہور): انسان کو کیسے پہچانا جائے ــــ؟ ابدالِ حق کی تحریر پر تفکر سے یہ سمجھ میں آیا کہ لباس اور حرکت الگ ہیں۔ لباس گوشت پوست کا نام ہے اور یہ افراد کی پہچان کے لئے ہے۔ لباس میں حرکت اصل انسان ہے۔ حرکت کو لباس کے پردے میں مخفی رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ حرکت سب میں ایک ہے۔

سلطانہ شاہ (کراچی): خواب اور بیداری میں تقاضے یکساں ہیں۔ تقاضوں کی تکمیل کا طریقہ بھی ایک ہے، فرق وقت کے دورانیے کا ہے۔ تقریباً نصف زندگی خواب میں گزرتی ہے۔ یعنی خواب کے زون کی صلاحیت ہماری ذات کا حصہ ہے۔ اس کا علم حاصل کرنے کی مشق شب بیداری ہے۔

ص۔ن (فیصل آباد): گوشت پوست کا جسم مٹی ہے، تعفن ہے، سڑاند ہے، اسفل سافلین ہے۔ اصل روح ہے۔ جب اہمیت روح کی ہے پھر تقاضے بھی روح کے ہیں اور مخفی صلاحیتیں بھی روح کی ہیں، چاہے دنیاوی صلاحیتیں ہوں

یا روحانی۔ بات اہم ہے کہ دھیان جس طرف ہوتا ہے، وہ صلاحیت مظہر بن جاتی ہے۔ جیسے ڈاکٹر، انجینیئر، پائلٹ، محقق اور مصور بننے کے لئے وقت دینا پڑتا ہے، روح کے علوم سیکھنے کے لئے ہمیں روح کو وقت دینا ہے۔

جمعہ انتظامیہ (مرکزی مراقبہ ہال، کراچی): مذاکرے کے نکات اور ایک سوال حاضرِ خدمت ہے،

★ صلاحیت بیدار کرنے کا ذریعہ مشق ہے۔ صلاحیت زندگی کو حرکت میں رکھنے کی مقداریں ہیں۔

★ زندگی لاشمار صلاحیتوں سے تعبیر ہے۔ صلاحیتیں روح کے دم سے ہیں۔ روحانی استاد شاگرد کو روح سے متعارف کراتا ہے

★ توجہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم بیداری کی زندگی سے واقف ہیں نہ خواب کے حواس کا علم ہے۔

★ یہ وسائل اور اسباب کی دنیا ہے۔ ذہن یا توجہ جس نظام کو قبول کرتی ہے، اس نظام سے انسپائریشن ملتی ہے اور وہاں کے قوانین لاگو ہوتے ہیں۔ زندگی ریکارڈ ہے۔ ریکارڈ کا خواب اور بیداری میں مظاہرہ ہوتا ہے۔ بیداری میں کئے گئے اعمال و اشغال پر قوانین لاگو ہوتے ہیں۔ کیا خواب میں کئے گئے اعمال پر جزا و سزا کے قوانین کا نفاذ ہے؟

عدنان نذیر (اٹک): سوال کیا گیا ہے کہ انسان کیا ہے؟ وضاحت مضمون میں ہے۔ انسان سے واقفیت کے لئے روح سے واقف ہونا ہے۔ رات کے حواس اصل ہیں، ان میں داخل ہونے والا حقیقی مسکن میں داخل ہوتا ہے۔ واقفیت کا قریب ترین راستہ مراقبہ ہے جس میں بندہ اپنے اندر تفکر کرتا ہے۔ رسول پاکؐ کا ارشاد گرامی ہے،

''جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا۔''

زرقا مجید (راولپنڈی): کائنات اللہ تعالیٰ کے ارادے میں موجود پروگرام کا عکس ہے۔ دنیاؤں کا نظام عکس پر قائم ہے۔ اکتسابی علم میں استاد کاغذ پر عکس بنانا سکھاتا ہے جب کہ علم حضوری میں استاد عکس دماغ پر منتقل کرتا ہے۔

محمد سلیمان (یو کے): زندگی ریکارڈ کی مدد سے گزرتی ہے۔ ریکارڈ یاد نہ ہو، کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ کھانا بناتے ہوئے اجزا ذہن سے نکل جائیں، کیا کھانا بن جائے گا؟ ریکارڈ کی یاددہانی خیال سے ہوتی ہے۔ خیال ذہن کو متحرک رکھتا ہے۔ اگر کسی کا حافظہ متاثر ہوجائے، وہ گم صم ہوجاتا ہے۔

★ ——★ ——★

★ جنوری 2020ء کے مضامین پر قارئین خواتین وحضرات کی آراء اور تفکر پیشِ خدمت ہے۔

عائشہ افتخار (لاہور): ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات سے بھرپور مضامین کا انداز ہر سال جدا اور لکھنے والوں کا زاویہ مختلف ہوتا ہے۔ ''ہوگا تیری محفل میں کوئی اور بھی جلوہ، مجھ کو تو محبت ہی محبت نظر آئی'' ریسرچ پیپر کی طرز کا مضمون ہے۔ پہلے صفحے پر عنوان کے نیچے دی گئی عبارت میں ''من تو شدم تو من شدی'' کا قانون ہے۔ ابدالِ حق نے فرمایا، کیسی اندھیری رات ہے۔ شاگرد رشید عظیمی صاحب نے دوپہر میں ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا دیکھا۔ ''یک سوئی'' سے دوئی ختم ہوگئی۔ اس کے علاوہ ''عشق کیا ہے'' دل کو چھونے والی تحریر ہے۔

محسنہ رفیق (کراچی): حضور قلندر بابا اولیاؒ کے عرس کی تقریبات میں شرکت کی، ورکشاپ میں حصہ لیا، عظیمی صاحب کا بصیرت افروز خطاب سنا۔ ہر طرف علمی ماحول اور تفکر دیکھا۔ مرکزی مراقبہ ہال میں محوری اور طولانی گردش کے قانون کی منظر کشی نے بہت متاثر کیا۔ لٹو کے اوپر دنیا اور لٹو کی محوری اور طولانی گردش—! بندہ اس ماحول میں آکر اندر کی دنیا میں آجاتا ہے۔

حریم ناز (وہاڑی): حضور قلندر بابا اولیاؒ کا کلام ''پیامِ شوق'' کئی بار پڑھا۔ محبت میں کس قدر احترام ہے،

اے صبا لے جا پیامِ شوق اس منزل کے نام فرض ہے جس کے ہر اک کوچہ کا مجھ پر احترام

واجد علی (پشاور): ماشاءاللہ! مضامین لکھنے والوں نے جنوری 2020ء کے شمارے کو فکر کی گہرائیوں سے سجایا ہے۔

شہزاد احمد (چارسدہ): سارے مضامین میں سوچنے کے لئے باتیں ہیں۔ میں پسندیدہ سطر پر نشان لگا دیتا ہوں، بعد میں دوبارہ پڑھتا ہوں۔ اس بار آدھے سے زیادہ رسالہ نشانات سے بھر گیا۔ حامد ابراہیم صاحب کا مضمون مشکل لگا، آسان ہونا چاہئے۔ فراق اور وصال باریک بین تحریر ہے۔ کیا اعلیٰ جملہ ہے کہ ''آفاق کو انفس میں دیکھنا''۔ میں یہ سمجھا کہ نفسِ واحدہ میں آفاقی ریکارڈ دیکھ لیا۔ ''محافظ موت'' اچھی کاوش ہے۔

شمیم، جماعت ہشتم: ''اولی الالباب'' بچے وہ ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں اور روح کو پہچان لیتے ہیں۔

★—★—★

★ کہانی ''شاہ کچھوا'' پر بچوں نے تفکر کیا۔ منتخب خطوط پڑھئے۔

نور خالق، جماعت گیارھویں (میانوالی): 12 بچوں نے مذاکرے میں شرکت کی۔ تلاوت اور نعت کے بعد 10 منٹ نیلی روشنی کا مراقبہ کیا۔ اس کے بعد کہانی پڑھ کر سنائی گئی۔ خلاصہ: جلدی اور دیر وقت کو ناپنے کا پیمانہ ہے جب کہ وقت ایک ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ ہم اپنی رفتار کے حساب سے کہتے ہیں کہ وقت دیر سے گزرا۔ وہی وقت کسی کے لئے جلدی گزر جاتا ہے۔ ہر فرد کی ذہنی رفتار مختلف ہے۔ سمندر کے تین دن بستی کے 300 سال کے برابر اس لئے تھے کہ سمندر کی دنیا کے حواس، خشکی سے الگ ہیں۔ کچھوے نے لڑکے کو جو ڈبا دیا، اسے بند رکھنے پر 300 سال کے گزرنے کا لڑکے کی عمر پر اثر نہیں ہوا۔ اس کی عمر اتنی رہی جتنی 3 دن میں ہونی تھی۔ دراصل سمندری شہزادے نے ڈبے میں 300 سال کی اسپیس سمیٹ دی تھی۔ ڈبا کھلا—300 سال کی اسپیس پھیل گئی۔

سعدیہ سرفراز، سعیدہ عروبہ، عثمان شوکت، حسن شوکت (فیصل آباد): سمندری وقت اور زمینی وقت ایک نہیں۔ کہانی کے مطابق سمندر کا ایک دن زمینی وقت کے مطابق سو سال کے برابر ہے۔ جس طرح مراقبہ کرنے سے ذہن ایک جگہ مرکوز ہوتا ہے اور وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا، اسی طرح کرم دین کا ذہن مرکوز ہو گیا۔

☆ ماشاءاللہ سب بچوں کی کاوش اچھی ہے۔

رموز عشق زلوح دلم مطالعہ کن

فارسی کلام	اردو ترجمہ
توئی کہ جز تو ترا خود حجاب دیگر نیست	توئی کہ تیرے سوا دوسرا حجاب نہیں
بغیر نورِ رخت را نقاب دیگر نیست	سوائے نور کے تیرا کوئی نقاب نہیں
توئی معرفت خود لاجرم بدیہی گشت	فقط تو ہی ہے کہ واقف ہے ذات سے اپنی
کہ در تصورِ تو اکتساب دیگر نیست	تیرے خیال میں غیروں کا اکتساب نہیں
رموز عشق ز لوحِ دلم مطالعہ کن	رموز عشق کو پڑھ دل کے لوح پر اپنے
کہ حلّ نکتہ عشق از کتاب دیگر نیست	کہ اس کے نکتہ کے حل کی کوئی کتاب نہیں
شہود حق طلبی از وجود خود بگذار	گزر وجود سے اپنے جو ہو خدا طلبی
کہ جز وجود تو اورا حجاب دیگر نیست	سوا وجود کے تیرے کوئی حجاب نہیں
ز قشر تن بگذر در لباب جاں بنگر	گزر کے جلدِ بدن سے تو مغزِ جان کو دیکھ
دراں لباب عجب گر کتاب دیگر نیست	کہ لوح جاں کے علاوہ کوئی کتاب نہیں
بمرد زاہدِ ما در خمار خمر بہشت	خمار بادۂ جنت میں مرگیا زاہد
گماں برد کہ جز آں می شراب دیگر نیست	گماں اسے تھا کہ اس کے سوا شراب نہیں
چو محوِ تست معینؔ نام اوچہ می پرسی	جب اس میں محو ہے تو اے معینؔ نام نہ پوچھ
کہ جز خموشیش اکنوں جواب دیگر نیست	سوا سکوت کے اس دم کوئی جواب نہیں

حامد ابراہیم

مشابہ انواع = مشابہ مقداریں

سیاہ اور سفید کی مقداریں ساری مخلوقات میں ہیں، تناسب کا فرق ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سفید ختم ہو کر سیاہ بنتا ہے اور سیاہ ختم ہونے سے سفید نظر آتا ہے۔ دونوں کی اپنی مقداریں ہیں اور دونوں بیک وقت موجود ہیں۔ سفید میں سیاہ اور سیاہ میں سفید مختلف تناسب سے شامل ہے۔

''اور وہی ہے جس نے پیدا کئے باغات چھتوں کی طرح چڑھے ہوئے اور بغیر چڑھے ہوئے اور کھجور اور کھیتی جو کھانے میں مختلف قسم کے ہیں اور زیتون اور انار مشابہ اور غیر مشابہ ۔ جب وہ پھل لائے تو اس کے پھل کھاؤ اور اس کے کاٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔ اور بے جا خرچ نہ کرو۔ بے شک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

(الانعام: ۱۴۱)

''اور زمین میں پاس پاس قطعات ہیں اور باغات ہیں انگوروں کے۔ اور کھیتیاں اور کھجور ایک جڑ سے دو شاخوں والی اور بغیر دو شاخوں کی۔ ایک ہی پانی سے سیراب کی جاتی ہیں۔ اور ہم فضیلت دیتے ہیں ان میں سے ایک کو دوسرے پر ذائقے میں۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔'' (الرعد:۴)

''وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور جس بات کا فیصلہ کرتا ہے، اس کے لئے بس حکم دیتا ہے کہ ''ہو جا'' اور وہ ہو جاتی ہے۔'' (البقرۃ: ۱۱۷)

آیات میں موجود مشترک طریقِ کار، لائحہ عمل اور ربط بآسانی تلاش کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں کائنات کا پروگرام ''کُن'' فرمانے کے ساتھ ظاہر ہو گیا۔ انواع و اقسام، شکل و صورت، مادی و غیر مادی ہیئت اور حیات کے لئے درکار وسائل وجود میں آ گئے۔

۲۔ تخلیق جن مراحل سے گزرتی ہے، وہ سب کُن کے ساتھ وجود میں آ چکے ہیں البتہ نظام کائنات میں تسلسل کے لئے ان کے ظاہر ہونے کا وقت ایک دوسرے سے الگ نظر آتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے جمادات، نباتات، حیوانات اور دیگر انواع کی پیدائش میں حکمت رکھی ہے۔ اگرچہ ساری مخلوقات منفرد طرزوں میں پیدا ہوئیں تاہم بعض کو بعض کے مشابہ یعنی ملتی جلتی طرزوں میں اور بعض کو

بعض کے غیر مشابہ یعنی مختلف طرزوں میں پیدا کیا۔

عالمین میں بے شمار دنیائیں اور کہکشانی نظام ہیں جن میں آدمی کی شماریات سے زیادہ مخلوقات آباد ہیں۔ جس زمین پر ہم رہتے ہیں اس کی بات کریں تو یہاں کتنی نوعیں ہیں اور کون سی نوع کتنی تعداد میں ہے، ہم نہیں جانتے۔ پھر دیگر عالمین اور ان میں مخلوقات کا احاطہ کیسے ہو ــــ؟ البتہ جتنی تخلیقات ہیں، مشاہدہ ہے کہ ان میں بعض آپس میں مختلف ہونے کے باجود ملتی جلتی طرزوں میں موجود ہیں۔ جو مخلوقات مشابہت رکھتی ہیں انہیں شکل وصورت، رہن سہن، عادات و اطوار، تقاضوں اور خصلتوں کے اعتبار سے ایک صف میں رکھا جاسکتا ہے۔

صف کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جائزہ لیں تو مشابہت میں درجہ بدرجہ تبدیلی سے گمان ہوتا ہے گویا ایک شے معمولی ردوبدل سے دوسری شے بن رہی ہے، دوسری تیسری میں ڈھل رہی ہے، تیسری چوتھی میں اور چوتھی پانچویں میں۔ مشابہت کا مطالعہ یا مشاہدہ کرنے والا شعور اللہ تعالیٰ کے تخلیقی پروگرام یا حکمت سے واقف نہ ہو تو مغالطے میں پڑ سکتا ہے کہ ایک مخلوق دوسری مخلوق کی تبدیل شدہ شکل ہے اور دوسری تیسری کی ــــ ایسا نہیں ہے۔ سب کے فارمولے ایک دوسرے سے الگ ہیں البتہ اجزائے ترکیبی میں مماثلت کی وجہ سے ان میں کہیں نہ کہیں مشابہت ہے۔ نکتہ یہ ہے کہ کوئی شے بعد میں تخلیق نہیں ہو رہی، تمام مشابہ وغیر مشابہ مخلوقات ایک حکم کے ساتھ پیدا ہو چکی ہیں۔

حضور پاکؐ کا ارشاد گرامی ہے،

''جو کچھ ہونے والا ہے، اس کو لکھ کر قلم خشک ہو گیا۔''

مشابہت کی ان گنت مثالیں ہیں۔

بلی کی عادات وخصائل اور اوصاف مجتمع ہو کر بلی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ بلی کی ایک سے زیادہ نسلیں ہیں۔ ایک نسل دوسری نسل سے ملتی جلتی مختلف ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ دو نسلیں مخلوط ہو کر تیسری نسل بن گئی۔ لیکن ہم تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ تیسری نسل کی اپنی انفرادیت ہے یعنی وہ پہلی دو سے مقداروں میں مختلف ہے۔

★ اگر دو نسلوں کے اختلاط سے تیسری نسل پیدا ہوتی ہے تو واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے وجود میں لانے کا یہی طریق کار متعین فرمایا ہے۔

★ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ پہلے سے موجود نہیں تھی۔ کُن کے ساتھ ہر شے وجود میں آچکی ہے، سب کے ظاہر ہونے کا وقت اور میکانزم الگ نظر آتا ہے۔

دلچسپ صورت حال: بلی جن بنیادی اور ذیلی مقداروں سے تخلیق ہوئی ہے، کم وبیش وہی مقداریں بعض دوسرے جانوروں میں نظر آتی ہیں۔ جیسے افریقی ببر شیر، ایشیائی ببر شیر، بنگال ٹائیگر، سائبیرین ٹائیگر، مختلف نسلوں کے تیندوے، چیتوں کی نسلیں، برفانی چیتے، جنگلی بلّا وغیرہ۔ ان میں مشترک خصوصیات اتنی

زیادہ ہیں کہ ان کو ایک گروہ میں شمار کر سکتے ہیں۔ سائز (حجم)، شکل وصورت اور دوسری خصوصیات کے اعتبار سے صعودی ترتیب میں رکھیں تو لگتا ہے کہ بلی (ان میں سب سے چھوٹی نوع) میں ردّوبدل ہوتے ہوتے سائبیرین ٹائیگر (بلی سے مشابہ سب سے بڑی معلوم نوع) بن گیا۔ نزولی ترتیب میں سائبیرین ٹائیگر گھٹتے گھٹتے بلی نظر آتی ہے۔

یہاں سے دو راہیں نکلتی ہیں۔

۱۔ مشابہت کا کائناتی مقصد تلاش کرنا۔

۲۔ قیاس اور بھول بھلیوں میں گم ہونا۔

پہلی راہ: اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو دعوت دی ہے کہ وہ کائنات کا باریک بینی سے جائزہ لیں۔

''جس نے تہ بہ تہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کا خلل نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔'' (الملک: ۳۔۴)

یہ آیات دعوتِ فکر کے ساتھ قانون وضع کرتی ہیں کہ کائنات میں ذرّہ بھر سقم نہیں۔ جو کچھ پیدا ہونا تھا وہ کامل طرزوں کے ساتھ یکبارگی موجود ہو گیا، ساتھ ہی جس ترتیب کے ساتھ کائنات کو حیات کے مراحل سے گزرنا ہے، وہ طے شدہ ہے۔

''اس سے ذرّہ برابر کوئی چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہوئی ہے نہ زمین میں۔ نہ ذرّے سے بڑی نہ چھوٹی۔ سب کچھ کتاب مبین میں درج ہے۔'' (سبا:۳)

اس نکتے کو مدنظر رکھ کر ہم تخلیقی پروگرام سے واقف ہو سکتے ہیں۔

آیئے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تخلیقات میں مشابہت میں کیا حکمت ہے۔

مشابہ انواع = مشابہ مقداریں: جن مقداروں سے اللہ تعالیٰ نے ایک نوع کو تخلیق فرمایا ہے اگر وہی مقداریں ردوبدل کے ساتھ دوسری نوع میں موجود ہیں تو دونوں کے موازنے سے مقداروں کے طرزِ عمل کو سمجھا جا سکتا ہے۔

مثال: جمادات میں ایک ممتاز گروہ دھات کا ہے۔ دھات کی لاشمار قسمیں ہیں جیسے لوہا، تانبا، سونا، چاندی، پارا، سیزیئم، پلاٹینم، یورینیم وغیرہ۔ طالب علم ان دھاتوں کو تقریباً یکساں مقدار (مثلاً ایک کلوگرام) میں ایک جگہ جمع کر کے مخصوص فاصلے پر رکھتا ہے۔ سب ایک طرح کے سانچے میں ملاوٹ کے بغیر موجود ہیں۔

سوائے چند ایک کے (پارا، سیزیئم) ٹھوس پن کی مقدار تقریباً سب دھاتوں میں موجود ہے۔ دوسرے نمبر پر موجود مشترک مقدار چمک ہے۔ طالب علم دیکھتا ہے کہ چمک کی مقداریں کسی میں کم اور کسی میں زیادہ ہیں۔ کسی دھات میں یہ ظاہر ہوتی ہیں (جیسے سونا، چاندی، پلاٹینم وغیرہ) اور کسی (لوہا۔ تانبا وغیرہ) میں چھپ جاتی ہیں۔ چناں چہ وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ چمک کو قائم

رکھنے کے لئے ایک اور مقدار کی ضرورت ہے جس سے دھات میں چمک نمایاں ہوتی ہے۔ وہ مقدار کیا ہے؟

اسی طرح دھاتوں میں مختلف تناسب کے ساتھ سختی کی بھی مقداریں ہے۔ سوڈیم اور پوٹاشیم کے قبیل کی دھاتوں میں سختی بہت کم ہے۔ ایلومینیم میں زیادہ ہے۔ سونے میں اس سے زیادہ ہے۔ لوہے اور اس کے آس پاس کی دھاتوں میں سب سے زیادہ ہے۔ چناں چہ طالب علم ہر شے میں ایک ہی مقدار کی کمی بیشی کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر اسے جان کر خوشی ہوتی ہے کہ ایک مقدار مختلف چیزوں میں روپ بہروپ ہونے کے ساتھ مشابہت کا سبب بھی ہے۔ دوسرا انکشاف یہ ہے کہ اشتراک پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے مقداروں کا علم سیکھنا آسان کر دیا ہے۔

مقداریں کیا ہیں ــــ؟ یہ کائناتی مشینری کو چلانے کے فارمولے ہیں اور فارمولوں سے واقف بندہ نیابت کا امین ہے۔ چناں چہ تخلیقات میں مشابہت نوع آدم کو زمین پر اپنے منصب کی طرف راغب کرنے کی نشانی ہے۔

حیوانات اور نباتات میں مشابہت کی حکمت کو قیاس کے بجائے الہامی علوم کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو علم حیاتیات (Biology) میں حل نہ ہونے والے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ جیسے مختلف لیکن مشابہ نباتات اور حیوانات کی گروہ بندی۔ گروہ بندی چوں کہ مشترک مقداروں کے نظریے سے ہوتی ہے لہٰذا،

۱۔ مقداروں کے علم کو سمجھنے کا شعبہ قائم ہو سکتا ہے۔

۲۔ علاج کی بنیاد اس علم پر استوار کی جا سکتی ہے۔

۳۔ مقداروں میں کمی بیشی متوازن رکھنے لئے مضر اثرات سے مستثنیٰ دوائیں بنائی جا سکتی ہیں۔

ماہرین حیاتیات اور اطبا (طبیب کی جمع) مقداروں کے الہامی نظریے کی طرف متوجہ ہو جائیں تو باطنی علوم کے ماہرین کی جانب سے اس میدان میں پہلے سے راہیں ہموار ہیں۔ علمائے باطن نے مقداروں کے علم پر مبنی ایک سے زائد طریقِ کار عملی شکل میں پیش کئے ہیں۔

''وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور جس بات کا فیصلہ کرتا ہے، اس کے لئے بس حکم دیتا ہے کہ ''ہو جا'' اور وہ ہو جاتی ہے۔'' (البقرۃ: ۱۱۷)

صفت بدیع: بدیع کا مادہ ''ب د ع'' ہے۔ لغوی معانی نئے سرے سے کسی شے کو پیدا کرنے کے ہیں۔ وہ کام جو پہلے پہل نہ ہوا ہو اور اس سے پہلے اس کی مثال موجود نہ ہو یعنی کسی چیز کو بغیر تقلید کے از خود پیدا کرنا یا ایسی شے جو پہلی بار تخلیق کی گئی ہو۔ اس میں شے کی پیدائش، دورِ حیات، زندگی کی مقداریں قائم رکھنے اور ان میں ردوبدل کے وسائل کا وجود میں آنا، سب شامل ہیں۔ مخلوقات، ان میں انواع، ایک نوع میں نسلیں اور نسلوں کے گروہ یا قبیلے، سارے پروگرام میں باہمی ربط کے باوجود یہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

اللہ ایسا خالق ہے جو وسائل سے بے نیاز ہے۔ جس شے کو چاہتا ہے، ایک حکم سے تمام وسائل سمیت وجود میں لے آتا ہے۔

تحقیق اور نظریۂ توحید: محققین کی کائنات کو سمجھنے کی جدوجہد قابل تحسین ہے۔ متحرک اور تفکر کرنے والا شعور، اندھی تقلید کرنے والے شعور سے بہتر ہے۔ لیکن یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح ہے کہ سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ زمین اور اس کے باسیوں کے مسائل میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ وجہ سائنسی علم نہیں بلکہ سائنسی علم کا توحید کے نظریے سے استفادہ نہ کرنا ہے۔ توحیدی نظریے سے کائنات کو سمجھنا آسان ہے۔

جدید حیاتیات میں DNA، کروموسوم کی دریافت اور ان کی تفصیل معلوم کرنا کارنامہ ہے لیکن ماہرین حیاتیات جب تک ''روح'' کو اصل تسلیم نہیں کرتے، روح کے لباس (جسم، خلیہ یا DNA) کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتے۔ لباس بالآخر تحلیل ہو جاتا ہے۔ لباس کام کرنا بند کر دے، اسے پہلے کی طرح متحرک و فعال کیوں نہیں کیا جا سکتا—؟

محققین نے کلوننگ اور ایک خلیے سے پورا وجود تخلیق کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اگر ایسا ممکن ہے تو پہلے سے موجود جسم میں حرکت کے تعطل کو دور کر کے جسم کو حرکت میں لانے کا تجربہ پہلے کرنا چاہئے۔ یعنی مردہ زندہ کرنا!

دوسری راہ: مخلوقات میں مشابہت سمجھنے کے لئے الہامی تعلیمات سے ہٹ کر قیاس کا سہارا لیا جائے تو مشابہت میں حکمت پس پردہ چلی جاتی ہے اور لایعنی تاویلوں کے انبار لگ جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر مفروضہ قائم کیا جاتا ہے کہ ایک مخلوق میں آب و ہوا اور دوسرے محرکات کی بنا پر ردوبدل شروع ہوا یہاں تک کہ اس مخلوق میں ایک خصوصیت کا اضافہ ہو گیا، اس طرح مسلسل تبدیلی سے سینکڑوں، ہزاروں یا لاکھوں سالوں میں مخلوق کی ہیئت بدل گئی۔ محققین کی جانب سے ایسے مفروضات کو سہارا دینے کے لئے دلائل اور توجیہات کے دفتر کے دفتر موجود ہیں۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

نوع آدم کائنات کی تخلیق سے نوع آدم اور نوع حیوان — حیوان ہے۔ اگر ایک شے دوسری شے بن جائے تو اس کا وجود ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی مقدار کا تناسب منفرد رکھا ہے۔

''پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے ہر شے معین مقداروں میں تخلیق کی اور ان مقداروں کی ہدایت بخشی۔'' (الاعلیٰ: ۱۔۳)

مفروضات کا سبب روح کی حقیقت نظر انداز کر کے لباس کو اصل سمجھنا ہے۔ جب لباس اصل نہیں ہے تو لباس پر قائم کردہ تصورات اور نظریات بھی اصل نہیں۔

عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''انسانی شناخت یہ ہے کہ گوشت پوست کے انسان کو

چلانے والی ایک مخصوص صفت ہے اور یہ مخصوص صفت سراپا خدوخال ہے۔ یہ خدوخال بالکل اس طرح کے خدوخال ہیں جس طرح جسمانی وجود اعضا اور خدوخال سے آراستہ ہے۔ اگر انسان اپنے اس وصف سے یعنی اپنی روح سے واقف ہے تو اس کے اوپر واضح ہوجاتا ہے کہ روح جو فی الواقع حرکت ہے، روح جو فی نفسہٖ زندگی ہے، روح جو درحقیقت ارتقا ہے، اس میں خود غرضی نہیں ہوتی، اس میں کبر نہیں ہوتا، اس میں پوری برادری کو غلام بنانے کا تقاضا نہیں ہوتا۔''

قارئین کرام! سادہ الفاظ میں درج بالا اقتباس سے وضاحت ہوتی ہے کہ خدوخال اور مٹی کے لباس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں۔ مٹی کے لباس کو خدوخال اور حرکت دینے والی ایجنسی کوئی اور ہے۔ یہ ایجنسی تمام مخلوقات کی اصل — روح ہے۔ تخلیقات کے مابین مشابہت، مشابہت میں حکمت اور حکمت میں پنہاں اسرار و رموز سمجھنے کے لئے روح کو جاننا ضروری ہے۔

مشابہت کے ضمن میں محققین کی توجہ نباتات اور حیوانات تک محدود رہی اور مفروضات کی نذر ہوگئی۔ مشابہت سماوات، ارض، فرشتوں، جنات، نباتات، حیوانات، جمادات اور جتنی مخلوقات ہیں سب میں ہے۔ وجہ ترکیبی اجزا میں مماثلت ہے۔ جیسے سیاہ اور سفید کی مقداریں ساری مخلوقات میں ہیں، تناسب کا فرق ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سفید ختم ہوکر سیاہ بنتا ہے اور سیاہ ختم ہونے سے سفید نظر آتا ہے۔ دونوں کی اپنی مقداریں ہیں اور دونوں بیک وقت موجود ہیں۔ سفید میں سیاہ اور سیاہ میں سفید مختلف تناسب سے شامل ہے۔ قرآن کریم میں اس حکمت کی طرف متعدد بار توجہ دلائی گئی ہے۔ خالق کائنات کا ارشاد ہے،

''نور پر نور۔ اللہ جسے چاہے اپنے نور کی ہدایت دیتا ہے۔'' (النور: ۳۵)

مشابہت (مقداروں) کی حکمت میں تفکر کرنے والوں کو اولی الالباب قرار دیا گیا ہے۔ اولی الالباب صاحبِ عقل وفہم اور صاحب مشاہدہ ہیں۔ آخری آسمانی کتاب قرآن کریم تمام نوع انسانی کا ورثہ ہے۔ اگر غیر جانب دار ذہن سے اس دعوت کو سمجھ لیا جائے تو زمین پر امن قائم ہوجائے گا۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں — میں نے ایک دانا سے سنا، وہ کہتا تھا کہ بات کی ابتدا اور انتہا ہوتی ہے۔ کسی کی بات کے درمیان کلام مت کرو۔ صاحبِ تدبیر، صاحبِ ہوش اور صاحبِ عقل بات شروع نہیں کرتا جب تک دوسرے کو خاموش نہ دیکھ لے۔ لہٰذا جب کوئی کلام کررہا ہو، گفتگو قطع نہ کرو۔ ایسا کرنے سے بسا اوقات شرمندگی اٹھانا پڑتی ہے۔ یہ بذات خود اپنی جہالت کا اقرار ہے۔

خواجہ شمس الدین عظیمی

پیراسائیکالوجی سے مسائل کا حل

پیراسائیکالوجی کے تحت دیئے گئے علاج کے لئے اجازت ضروری ہے۔ کوئی صاحب یا صاحبہ اجازت کے بغیر علاج نہ کریں۔ (ادارہ)

غبارے میں ہوا

ج۔ب (کراچی): میرے ذہن پر بعض لوگوں کا خوف سوار ہے۔ جب موقع ملتا ہے، وہ میری بے عزتی کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ خاموشی میں بھی رویہ ہتک آمیز ہے۔ میرا ان لوگوں سے تقریباً روز واسطہ پڑتا ہے اور سامنا ہونے پر ذہن بھاری ہوجاتا ہے۔ وہ مجھے سخت ناپسند کرتے ہیں اور میں خود کو ان سے کم تر سمجھتا ہوں۔ خوف کا سلسلہ اتنا طویل ہوگیا ہے کہ اب حد ہوچکی ہے۔ میں خود سے تنگ آگیا ہوں۔ عظیمی صاحب! وہ میرے بارے میں جو چاہیں سوچیں، مجھے احساسِ کم تری اور خوف سے آزاد کردیں۔

جواب: پانچ غبارے الگ الگ رنگ کے خریدیں اور ان میں پھونک بھریں۔ خیال رہے کہ غباروں کا حجم یعنی سائز سب کا ایک جیسا ہو۔ انیس بیس کا فرق ہو تو کوئی حرج نہیں۔ جن لوگوں سے خوف آتا ہے، ہر غبارے پر ان میں سے ایک نام لکھیں۔ اس طرح جتنے لوگ ہیں، سب کے نام کے غبارے ہوں۔ اب ایک ایک کرکے غباروں کو غور سے دیکھیں۔ جس غبارے پر جس کا نام لکھا ہے، اس غبارے میں کچھ دیر اس فرد کا سراپا دیکھیں۔ تصور قائم ہوتے ہی خود سے پوچھیں کہ غبارے میں ہوا کس نے بھری—؟ جب تک آپ نے غبارے میں ہوا نہیں بھری تھی، کیا وہ ویسا تھا، جیسا اب نظر آتا ہے—؟ یقیناً جواب نہ میں ہوگا۔

اب سوئی کے ذریعے غبارے سے ہوا نکال لیں اور دیکھیں کیا ہوا۔ یہ ہے آپ کے خوف کی حقیقت! اگلے غبارے کی طرف بڑھیں۔ ایک ایک کرکے غباروں سے ہوا نکلے گی اور خوف ختم ہوجائے گا، انشاءاللہ۔

عمل کے لئے 11 روز کافی ہیں۔

جہاں تک بے عزتی کی بات ہے تو عزت اور ذلت صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ لوگ آپ کے بارے میں کیا سوچتے ہیں، صرفِ نظر کرکے یہ سوچیں کہ اللہ کی نظر میں آپ کہاں ہیں۔ مشق سے ذہن میں اللہ کا تصور قائم ہوگا اور زندگی دیکھنے کا زاویہ بدل جائے گا، انشاءاللہ۔

سلیمہ ہاشمی (نارووال): عمر20 سال اور وزن 48 کلو ہے۔ اللہ کا شکر ہے صحت اچھی ہے مگر بازو بہت پتلے ہیں، کلائی چار انچ ہے۔ بازوؤں کی وجہ سے جسم معیوب لگتا ہے۔ ہاتھوں پر کچھ نہیں پہن سکتی۔ ہاتھ مزید نمایاں ہوجاتے ہیں۔ بازو بھرنے کے لئے کئی ترکیبیں آزمائیں، زیتون کے تیل کا مساج کیا، سرسوں کا تیل استعمال کیا مگر فائدہ نہیں ہوا۔ ورزشیں کی ہیں کندھے چوڑے ہوگئے مگر ہاتھوں میں فرق نہیں پڑا۔ احساسِ کم تری کا شکار ہوگئی ہوں۔ ایسا عمل بتایئے کہ بازوؤں کا عیب دور ہوجائے۔

جواب: ''12 x 12'' انچ کا اچھی قسم کا شیشہ لیں۔ شیشے کے سائز یعنی ''12x12'' انچ کا لکڑی کا تختہ بنوالیں۔ لکڑی صاف دیار کی ہونی چاہئے جس میں گانٹھ نہ ہو۔ اس لکڑی پر شیشہ اور شیشے پر ہاتھ رکھیں۔ رات کو سونے سے پہلے اور صبح ناشتے سے قبل زمین پر بیٹھ کر دونوں ہاتھ شیشے کی پلیٹ پر اس طرح رکھیں کہ ہاتھوں پر دباؤ نہ پڑے۔ پہلے ہفتے پانچ منٹ، دوسرے ہفتے سات منٹ، تیسرے ہفتے آٹھ منٹ، چوتھے ہفتے نو منٹ اور پانچویں ہفتے کے دوران دس منٹ تک یہ عمل کریں۔ اس کے بعد خط لکھ کر مطلع کریں۔

ہارڈ بورڈ

شگفتہ قیصر (مظفر آباد): بیٹی کی عمر 19 سال ہے۔ صحت مند پیدا ہوئی تھی۔ دو سال کی عمر میں دورے پڑنا شروع ہوئے۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ دماغی رگیں خشک ہوگئی ہیں۔ بہت علاج ہوا— صحت یاب نہیں ہوئی۔ دس (10) سال کی عمر میں بولنا شروع کیا۔ دو سالہ بچے کی طرح بولتی ہے۔ جہاں بٹھاؤ، بیٹھی رہتی ہے۔ جب تک آواز نہ دو، متوجہ نہیں ہوتی۔ آس پاس جو بھی ہو، اپنے آپ میں گم رہتی ہے۔ سب کہتے ہیں سایہ ہے۔ 19 سال اس بچی کی دن رات خدمت کی ہے۔ میں خدمت سے تھکی نہیں ہوں۔ بس خواہش ہے کہ بیٹی کی ذہنی صحت ٹھیک ہوجائے، وہ کسی کی محتاج نہ ہو۔

جواب: بیٹی کا '' 6 ½ X 4 ½ '' انچ کا فوٹو بنوالیں۔ فوٹو بالائی جسم کا ہو۔ اسے گتے یا ہارڈ بورڈ پر رکھیں اور چاروں کونوں پر گوند لگادیں تاکہ فوٹو ہلے نہیں۔ رات کو بیٹی گہری نیند سوجائے تو گھر میں کسی بھی جگہ بیٹھ کر اس فوٹو پر پنسل سے دس منٹ تک دائرے بنائیں۔ دائرے پر دائرہ آئے گا اور فوٹو بالکل سیاہ ہوجائے گا۔ پنسل کا سکہ سیاہ ہونا چاہئے۔ سکہ نہ زیادہ سخت ہو کہ دائرے بناتے وقت خراشیں آئیں نہ زیادہ نرم ہو کہ دائرے بنانے میں پنسل ٹوٹ جائے۔ بار بار پنسل بنانے میں دماغ کسی اور طرف متوجہ نہ ہو۔ فوٹو پر خراش آئے اور پھٹ جائے تو نیا فوٹو بنانا ضروری ہے۔ عمل کی مدت چھ ماہ ہے۔ نہایت مؤثر اور کام یاب علاج ہے۔ اس کے ذریعے فقیر نے کراچی میں بیٹھ کر ہزاروں میل دور دماغی مریضوں کا علاج کیا ہے۔ اللہ کی شان ہے کہ حضور پاکؐ کے طفیل مریضوں کو فائدہ ہوا۔

گہری نیلی چادر

عمرانہ فاروق (کراچی): ذہن میں ہر وقت ادھر ادھر کے خیالات کی فلم چلتی ہے۔ سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے سوچوں میں الجھی رہتی ہوں۔ کبھی کبھی ناکردہ جرم کا احساس ہوتا ہے۔ پہلے یہ سب نہیں تھا۔ معلوم نہیں ذہن کیسے آلودہ ہوگیا حالاں کہ گھر میں صفائی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ سب پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں۔ جسے دیکھ لوں، اس کے بارے میں منفی خیالات آتے ہیں۔ آنا جانا اور لوگوں سے ملنا چھوڑ دیا ہے۔ خیالات سے بچنے کے لئے بچوں کی کہانیاں پڑھتی ہوں۔ گھر والوں کو لگتا ہے کہ میں اداکاری کرتی ہوں۔ وہ نہیں جانتے میں کس اذیت میں ہوں۔

جواب: آپ کے لئے نیند بہت ضروری ہے۔ 24 گھنٹے میں کم از کم دس گھنٹے ضرور سوئیں۔ نیند نہ آئے تو ڈاکٹروں کے مشورے سے عارضی طور پر دوا لے سکتی ہیں۔ اسٹین لیس اسٹیل کا بڑا تسلا لے کر اس میں پانی بھریں اور پیروں پر بیٹھ کر پانی میں اپنا عکس دیکھیں۔ جب تک ٹانگیں برداشت کریں، اکڑوں بیٹھی رہیں۔ یہ عمل صبح سورج نکلنے سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے کریں۔ گہرے تیز نیلے رنگ کی چادر لے کر اس پر سفید سلمہ ستاروں سے ستارے بنائیں۔ نیلے مخمل کا کپڑا زیادہ مناسب ہے۔ چادر کو چارپائی یا پلنگ کے اوپر تان دیں۔ پلنگ پر لیٹ کر چادر کو غور سے دیکھیں اور دیکھتے دیکھتے سو جائیں۔ کھانوں میں میٹھی چیزیں زیادہ کھائیں۔ اگر low بلڈ پریشر نہ ہو، نمک کم سے کم کردیں۔ ہر جمعرات حسب استطاعت خیرات کریں۔

پیراسائیکالوجی
(Parapsychology)

ماہنامہ قلندر شعور مارچ 2020ء

اماں کا نام: ..... سائل کا نام: .....

تاریخ اور وقت پیدائش: ..... تعلیم: ..... ازدواجی حیثیت: .....

جاگنے کا دورانیہ: ..... سانس کا دورانیہ کتنے سیکنڈ ہے: .....

کھانا پیٹ بھر کے کھاتے ہیں یا بھوک رکھ کر: ..... نمک زیادہ پسند ہے یا مٹھاس: .....

خیالات میں حقیقت پسندی ہے یا الوژن: ..... دستخط: .....

خط و کتابت کا پتہ: .....

..... رابطہ نمبر: .....

رحمت کی بارش

طیبہ سلیم (اسلام آباد): میں اپنے اندر اپنی ہم شکل لڑکی دیکھتی ہوں۔ وہ مجھ سے باتیں کرتی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون ہے۔ اندر سے طیبہ طیبہ آوازیں آتی ہیں۔ درود شریف کے ورد کے دوران محسوس ہوتا ہے کہ رحمت کی بارش ہو رہی ہے۔ کئی مرتبہ مراقبہ کرنے کی کوشش کی، نیند غالب ہو جاتی ہے۔ کیا میں اندر اپنے آپ کو دیکھتی ہوں یا وہ کوئی اور ہے؟

جواب: ہر شخص باہر نہیں، اندر دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ باہر دیکھ رہا ہے۔ باہر کچھ نہیں ہے، جو کچھ ہے، اندر ہے۔ قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہوں اور آئینے میں اپنے عکس کے گرد پلک جھپکائے بغیر غور سے دیکھیں۔ ایک یا کئی رنگ کی لہریں دائرے میں نظر آئیں گی۔ نوٹ کریں ان لہروں میں کون سی لہر میں رنگ زیادہ گہرا ہے۔ اس رنگ کا لباس زیب تن کریں اور اس رنگ کو ''12 x 9'' ٹرانسپیرنٹ شیشے پر پینٹ کرالیں۔ صبح سورج نکلنے سے پہلے سورج نکلنے کا مقام دیکھیں۔ سورج نکلنے سے آسمان پر سرخ رنگ غالب ہوتا ہے۔ آسمان پر رنگوں میں وہ رنگ تلاش کریں جو آپ نے شیشے پر کرایا ہے۔ اب شیشے کو اس وقت تک دیکھیں جب تک سورج پوری طرح طلوع نہ ہو جائے یعنی زیادہ سے زیادہ ایک سے ڈیڑھ منٹ۔ آسمان اور شیشے کا رنگ ایک ہونے تک یہ مشق روزانہ کریں۔ کھانوں میں نمک کم سے کم کر دیں۔

نوٹ: کوئی صاحب یا صاحبہ اجازت کے بغیر یہ عمل نہ کریں۔

کھلا جنت کا دروازہ ــــ؟

ایک سپاہی کو جنت اور دوزخ کی موجودگی پر یقین نہیں تھا۔ لوگ دلیلیں دیتے لیکن وہ کسی کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔ ایسے شخص کی تلاش تھی جس کی دلیل میں وزن ہو۔ ایک روز کسی صاحبِ فہم سے ملاقات ہوگئی۔ سپاہی نے پوچھا، لوگ کہتے ہیں کہ جنت اور دوزخ مقامات ہیں۔ میرے دل میں تذبذب ہے۔ بتایئے کیا واقعی ان کا وجود ہے ــــ؟ صاحبِ فہم نے پوچھا، تم کون ہو ــــ؟ عرض کیا، میں سپاہی ہوں۔ فرمایا، کون سا ایسا شخص ہے جو تمہیں محافظ رکھے گا۔ شکل دیکھی ہے اپنی ــــ؟ بھکاریوں جیسی ہے۔ سپاہی کو غصہ آیا، ہاتھ میان میں تلوار کی طرف بڑھا۔ صاحبِ فہم نے پروا نہیں کی اور بات جاری رکھی۔ اوہ اچھا! تمہارے پاس تلوار ہے۔ لگتا ہے کہ تمہاری تلوار بھی تمہاری طرح زنگ آلود ہے۔ سپاہی نے تلوار میان سے نکالی اور آگے بڑھا۔ صاحبِ فہم نے فرمایا، یہ کھلا دوزخ کا دروازہ!

سپاہی ٹھٹک گیا، قدم رک گئے۔ دونوں کی نظریں ایک دوسرے پر جمی ہوئی تھیں۔ ایک پُرسکون، دوسرا حیرت میں تھا۔ بات سمجھ میں آتے ہی تلوار میان میں ڈالی اور تعظیم میں سر جھکا دیا۔ صاحبِ فہم نے کہا، یہ کھلا جنت کا دروازہ!

عابد محمود

بارش میں دھوپ

وصل کے ساتھ فراق نہ ہو تو عشق بے معنی ہے۔ جس نے کھو دیا، اس نے پالیا۔ پانا اتنا ہی مناسب ہے جتنا سلگا کر ادب سکھا سکے اور بنا فراق کے آگ نہیں لگتی۔ محبوب کا چہرہ یاد نہیں کرنا پڑتا، دل میں عکس ہوتا ہے۔ آگ دھیرے دھیرے سلگتی ہے۔ پوری طرح جلتی ہے نہ پوری طرح بجھتی ہے۔

ہوش سنبھالا تو اردگرد محبت سے لبریز لوگوں کا ہجوم تھا۔ میری دنیا اپنے خاندان تک محدود تھی اور خاندان سلسلہ چشتیہ کے ایک بزرگ احمد دین چشتی سرکارؒ سے بیعت تھا۔ رشتے دار آس پاس رہتے تھے۔ گھر — گھر سے جڑے ہوئے تھے۔ والد صاحب کے آٹھ بھائی تھے جن میں سے پانچ بھائی ایک گلی میں رہتے تھے۔

گھر کے بڑوں کی گفتگو کا مرکز پیر و مرشد کی تعلیمات تھیں۔ ہر بات ان سے شروع اور ان پر ختم ہوتی تھی۔ سائیں احمد دینؒ کا بنیادی سبق اللہ ہُو کا ذکر تھا۔ فرماتے تھے کہ ہر وقت ورد کیا کرو۔

میں دادا جان کا لاڈلا تھا۔ مجھے اپنے ساتھ سلاتے تھے۔ وہ سو جاتے تو میں کان ان کے دل سے قریب کر لیتا، اکثر — اللہ ہُو، اللہ ہُو کی آواز آتی تھی۔ حیرت سے ان کے سینے کو دیکھتا۔ دادا جان اپنے مرشد کا سبق نیند میں بھی نہیں بھولے، جب جسم سو جاتا، ان کا دل اللہ ہُو کا ورد کرتا تھا۔

سائیں احمد دینؒ گھر تشریف لاتے یا دادا جان ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو دادا جان کوئی بات نہیں کرتے تھے، خاموش رہتے۔ وہ بہت بے چین تھے۔ پیر و مرشد ان کے سر پر ہاتھ رکھتے، انہیں قرار آ جاتا۔

ہمارے گھروں میں غم کے بادل بہت کم چھاتے تھے البتہ بن بادل برسات کی حد نہیں تھی۔ میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ جب کوئی دکھ نہیں ہے، غم نہیں ہے پھر بلاوجہ آنسو کیسے اور کیوں بہتے ہیں۔ اماں کے روٹی بناتے ہوئے، ابا کے کپڑے سلائی کرتے ہوئے اور سب سے چھوٹے چچا رفیق کا تو حال مت پوچھیں۔

قرآن کریم میں نے چچا رفیق سے پڑھا۔ وہ کپڑے سلائی کرنے کے ساتھ سبق سنتے اور آگے سبق دیتے تھے۔ ایک روز ان کے پاس بیٹھ کر سبق یاد کر رہا تھا کہ اچانک چچا نے مشین روکی اور تیزی سے چچی سے کہا، مہمان تشریف لا رہے ہیں، جلدی سے ان کے بیٹھنے کا بندوبست کرو اور گھر صاف ستھرا رکھو۔

چچی حیرت سے بولیں، کون آ رہا ہے؟

دیکھو! وہ آ رہے ہیں۔ یہ کہتے ہی وجدانی کیفیت طاری ہوئی اور چیخ مار کر مشین کے پاس گر گئے۔

ہوش آیا تو نظریں دروازے کی طرف مرکوز تھیں۔ چچی شوہر کی حالت سے واقف تھیں۔ تیزی سے دروازہ کھولا اور گلی میں دیکھتے ہوئے بولیں، کوئی نہیں ہے۔

یہ سب دیکھ کر میں نے چچازاد سے کہا، سب چچا کا وہم ہے۔ اماں کہتی ہیں کہ کسی سے بہت محبت ہوتی ہے تو ہر سو وہی دکھائی دیتا ہے۔

یہ سب میں بچپن سے سنتا اور دیکھتا آ رہا تھا۔

چچا کی نظریں دروازے پر سے نہیں ہٹیں۔

پھر تھوڑی دیر بعد اٹھنے کی کوشش کی جیسے جلدی میں ہوں اور مطمئن ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ لگتا تھا جس کا انتظار تھا وہ آئے اور مل کر چلے گئے اسی لئے چچا نے آنکھیں بند کیں اور بے قراری تھم گئی۔

سائیں احمد دین سرکارؒ جب ہمارے گھر تشریف لاتے تو میں انہیں غور سے دیکھتا۔ ایسا کیا ہے کہ پورا خاندان ان پر فدا ہے — ؟ ہماری طرح انسان ہیں۔ سب ان کے مریدوں کی محبت ہے اور کچھ نہیں۔ لیکن یہ کیسی محبت ہے کہ کوئی ہوش میں نہیں رہتا — ؟

ان کی شخصیت میں غیر معمولی رعب تھا۔ بیٹھتے ہی سب دریوں پر بیٹھ جاتے۔ کوئی کسی سے بات نہیں کرتا تھا، سب ان کی بات سنتے۔ آخر میں ذکر کی محفل ہوتی۔

زاہد میرا ہم عمر اور چچازاد ہونے کے ساتھ بہترین دوست تھا لیکن وہ بھی سائیں احمد دینؒ کی محبت کا دم بھرتا تھا۔ خاموشی سے مجلس میں بیٹھ جاتا اور ماحول کا رنگ چڑھتے ہی ذکر کے دوران سسکیاں لینا شروع کر دیتا۔ مجھے بہت غصہ آتا کہ میرا ہنس مکھ دوست رو رہا ہے۔

ایک روز اسے روتے دیکھ کر بازو سے کھینچ کر زبردستی مجلس سے باہر لایا۔ میں نے کہا، آئندہ تم ان میں نہیں بیٹھو گے۔ وہ مسکرا دیا۔

اٹھ جا پتر! پرندے گھونسلوں سے نکل چکے ہیں تو ابھی تک بستر میں پڑا ہے۔ دادا جان نے آواز دی۔

پرندوں کو کون سا رات دیر تک بیٹھ کر ہوم ورک کرنا ہوتا ہے۔ وہ کون سا اسکول جاتے ہیں۔ دل ہی دل میں سوچتے ہوئے کروٹ بدلی اور سو گیا۔

اسکول کا وقت ہونے والا ہے۔ اماں نے چادر کھینچتے ہوئے آواز دی، اور صحن میں بنی رسوئی میں مٹی کے چولہے میں لکڑیاں رکھیں۔ دھواں کھڑکی کے راستے جب کمرے میں بھرنے لگا تو میں نے اٹھنے میں عافیت جانی اور غسل خانے میں گھس گیا۔ یونیفارم پہن کر باہر آیا تو دادا جان، ابا اور بہن بھائی سب ناشتا کر رہے تھے۔ اماں پراٹھے بنا رہی تھیں۔ دائیں طرف پرانے زمانے کا ریڈیو رکھا ہوا تھا۔ سب نعت سن رہے تھے۔

پراٹھے بناتے ہوئے اماں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ میں چونک گیا۔

آنسو چھپانے کے لئے فوراً چولہے میں لکڑیاں ہلاتے ہوئے بولیں، گیلی لکڑیاں سلگتی کیوں ہیں ــــ؟ پوری طرح جل نہیں پاتیں بس دھواں دیتی جاتی ہیں۔ شاید ان کو راکھ ہونا نہیں آتا۔

دادا جان اور ابا نے چونک کر اماں کو دیکھا۔

میں نے سوچا کہ بھلا گیلی لکڑیوں کے سلگنے سے آنسوؤں کا کیا تعلق ہوسکتا ہے اور اس میں رونے والی کون سی بات ہے ــــ؟ ہاں اگر دھواں آنکھوں میں جائے تو پانی آجاتا ہے۔

بن بادل برسات میرے لئے معمّا تھی۔ ہر طرف دھوپ ہے پھر بارش کیسے ہوسکتی ہے۔ میں کبھی بلاوجہ نہیں رویا، جب ابا سے ڈانٹ پڑی یا اماں نے مارا۔ مجھے اپنے اسلاف کا محبت کے اظہار کے لئے رونے والا انداز پسند نہیں آیا اس لئے عشق و محبت کی طرزوں کو چھوڑ کر عقل کی سواری کو ترجیح دی۔

سرمد غم عشق بوالہوس را نہ دہند
سوزِ دلِ پروانہ مگس را نہ دہند
عمرِ باید کہ یار آید بے کنار
ایں دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند

سرمد! عشق کا غم بوالہوس کو نہیں ملتا۔ پروانے کے دل کا سوز اور ایثار کا جذبہ مکھیوں کو نصیب نہیں ہوتا۔ محبوب سے وصل کے لئے عمریں چاہئیں۔ یہ اتنی بڑی دولت ہے جو ہر ایک کے نصیب میں نہیں!

سائیں احمد دین سرکارؒ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ گھر پر ہونے والی نشستیں اب ختم ہوچکی تھیں۔ ان کے مریدین سال میں ایک آدھ بار ہمارے گھر آتے تو پیر و مرشد کی باتیں کرتے اور سر دھنتے تھے۔ پھر ہم نے وہ محلّہ چھوڑ دیا، ابا نے آبائی گھر سے تھوڑی دور نیا گھر بنایا۔ دیگر بھائیوں نے بھی آہستہ آہستہ محلّہ چھوڑ دیا۔ فاصلہ ہونے سے روز کا ملنا ختم ہوگیا۔

نئے محلے میں گھر کے سامنے خوب صورت ماہ جبین رہتی تھی۔ میں عشق و محبت کا قائل نہیں تھا لیکن تپتی ہوئی دھوپ میں جھلک کا متلاشی رہتا۔ اس سے محبت نہیں تھی، بس وہ مجھے اچھی لگتی تھی۔ البتہ جس روز دکھائی نہ دیتی، مزاج برہم رہتا تھا۔ وہ جذبات سے واقف ہوئی تو میری طرح اسے بھی انتظار رہنے لگا۔ بعض اوقات اس کی آنکھیں بھیگ جاتیں۔ میں مسکرا کر پوچھتا کہ لوگوں کے دل کتنے چھوٹے ہیں بات بے بات آنسو بہتے ہیں۔ بن بادل دھوپ میں بارش کیسی ــــ؟

تم چھوڑ نہ جانا اوسجن
تم کیا جانو دھوپ کی بارش کو
تم کیا جانو ہجر کی گرمی کو
جب دور تھے مجھ سے اوسجن
میرے ہاتھ کی چوڑی اور کنگن
تب گیت تمہارے گاتے تھے
جب یاد مجھے تم آتے تھے

میں ہنستے ہنستے روتی تھی
اور دھوپ میں بارش ہوتی تھی

میں مسکرادیا کہ عشق جیسی دولت میرے نصیب میں نہیں۔ کہتے ہیں کہ وصل کے ساتھ فراق نہ ہو تو عشق بے معنی ہے۔ جس نے کھودیا، اس نے پالیا۔ پانا اتنا ہی مناسب ہے جتنا سلگا کر ادب سکھا سکے اور بنا فراق کے آگ نہیں لگتی۔ محبوب کا چہرہ یاد نہیں کرنا پڑتا، دل میں عکس ہوتا ہے۔ آگ دھیرے دھیرے سلگتی ہے۔ پوری طرح جلتی ہے نہ پوری طرح بجھتی ہے۔ سارے بت خاکستر ہوتے ہیں پھر روشنی پھوٹتی ہے۔

اس کی شادی ہوگئی — مجھ سے نہیں، کسی اور سے۔ ناقابل بیان تکلیف ہوئی مگر میں نہیں رویا۔ میری بھی شادی ہوگئی اور مجھے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ اک بے چینی میرے اندر سرایت کرگئی جو ہر لمحہ بے کَل رکھتی۔ اکثر راتوں کو گھر سے نکل جاتا اور بلاوجہ ادھر ادھر گھومتا۔ مجھے وہ ماہ جبین یاد نہیں آتی تھی البتہ کسی سے ملنے کی تڑپ تھی۔

شاید میں اپنی اصل سے ملنا چاہتا تھا۔

ہر طرف سراب تھا۔ دور سے لگتا کہ منزل قریب ہے لیکن آگے بڑھنے پر ہر منظر ریت میں گم ہوجاتا۔

اماں میری باتیں سن کر پریشان ہوتی تھیں۔ کہتی تھیں کہ تم نے یہ باتیں کہاں سے سیکھ لیں، ہمارے گھر میں تو ایسا کوئی نہیں تھا، تم کس پر چلے گئے؟

قدرت کو میری حالت پر رحم آیا اور اس نے مجھے اک مہربان تک پہنچا دیا۔ اماں کو ڈرتے ڈرتے بتایا کہ میں نے بیعت کرلی ہے۔ میرا خیال تھا وہ ڈانٹیں گی کہ تم نے اپنا گھرانا چھوڑ کر کہیں اور بیعت کیوں کی۔ لیکن وہ خوش ہوئیں کہ چل شکر ہے اب تو بھی محبت کرنا سیکھ لے گا اور تجھے معلوم ہوگا کہ بن بادل برسات کیسے ہوتی ہے۔

اماں! میں بہت خوش ہوں، اٹھارہ سال کی محنت کے بعد مرشد ملا ہے۔

اٹھارہ سال کچھ نہیں ہیں! یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگئیں اور چہرہ درد کی تصویر بن گیا۔ ان کی آواز میں وہی کرب تھا جو سالوں پہلے چولہے کے پاس بیٹھ کر سلگتی ہوئی لکڑیاں جلاتے ہوئے محسوس ہوا تھا۔

پتر! انہوں نے تمہیں منتخب کیا ہے، تم نے نہیں۔ جاؤ مٹھائی لاؤ اور سب کا منہ میٹھا کراؤ۔ اب تم جہاں مرضی جاؤ، مجھے فکر نہیں۔ میں مطمئن ہوں۔

اماں کی باتوں میں گہرائی سمجھ نہیں سکا۔

سوچا کہ یہ کتنی معصوم ہیں۔ اگر میں اٹھارہ سال تک نہ ڈھونڈتا، کیا وہ مجھے ملتے؟

اماں کہتی تھیں کہ محبوب ہر مرض کی دوا جانتا ہے۔ میں بیعت کے بعد عاشقوں کے جھنڈ میں پہلی مرتبہ ان سے ملا تو دل کے نہاں خانوں میں کوئی کیفیت وارد نہیں ہوئی۔ تلاطم تھا نہ کوئی طوفان۔ دیگر مریدوں کی کیفیات مجھ سے الگ تھیں۔

مرشد کریم کی باتیں سمندر تھیں۔ وہ جسم اور روح میں فرق سمجھاتے تھے تاکہ آدمی اپنی اصل سے متعارف ہو۔ میں فلسفوں میں الجھا ہوا شخص تھا، ہر بات کی وجہ تلاش کرتا تھا اور مجھے یہ بات سمجھنے میں کئی سال لگے۔ اس دوران میرے اندر براجمان بت ایک ایک کر کے ٹوٹتے گئے لیکن دوسرے مریدوں کی طرح ذرّہ برابر تڑپ پیدا نہیں ہوئی۔ بس مرشد کی باتیں سنتا اور سر دھنتا تھا۔ بچپن سے عاشقوں کو اپنے مرشد پر نثار دیکھتے آیا تھا۔ مجھ پر کبھی اثر نہیں ہوا۔ شاید عشق نصیب میں نہیں تھا۔

ایں دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند

ایک روز عرض کیا، مجھے آپ سے محبت نہیں ہو رہی؟

انہوں نے مسکرا کر فرمایا، بھائی! میں آپ سے محبت کیوں کروں—؟ ہاں آپ کر سکتے ہیں تو کر لیں۔

میں —؟ تذبذب ہوا کہ میں کیسے محبت کر سکتا ہوں؟ مجھے محبت کرنا آتی تو کب کی کر چکا ہوتا۔

مزید سوال کیا نہ انہوں نے کوئی بات کی۔

کئی سال بیت گئے مگر دل کے صحرا میں پھول نہیں کھلا۔ اکثر سوچتا کہ ان سے محبت کیسے کر سکتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے، لوہے میں مقناطیس کھینچنے کا ظرف نہیں!

دل میں وسوسہ پیدا ہوا اور احساس شدت اختیار کر گیا کہ مرشد کریم مجھ سے محبت نہیں کرتے اسی لئے میں ان کی محبت محسوس نہیں کرتا۔

ایک بار پھر ہمت کر کے عرض کیا، مجھے آپ سے محبت نہیں ہو رہی۔

مرشد کریم جانتے تھے کہ میں عقل کے گھوڑے پر سوار ہوں اور ہر چیز عقل کے پیمانے سے دیکھتا ہوں۔

فرمایا، بھائی! محبوب کو اپنے اندر سنوارنا پڑتا ہے۔ جیسا اس کو بنا لو، ویسا بن جاتا ہے۔ مجنوں کے لئے لیلیٰ دنیا کی حسین عورت تھی لیکن سب جانتے ہیں کہ لیلیٰ کالی تھی۔ مجنوں کی محبت نے اسے سنوار کر دنیا کی خوب صورت عورت بنا دیا۔ مجنوں کی داستانِ محبت آج پوری دنیا میں مشہور ہے۔

میں نے نہ سمجھنے والے انداز میں سر جھکا لیا۔ پتہ نہیں یہ کیسی باتیں تھیں جو عقل کے برتن میں سماتی نہیں تھیں۔ مجنوں نے کس طرح سنوار کر لیلیٰ کو خوب صورت بنا لیا؟ آہ بھری کہ یہ دولت میرے نصیب میں نہیں! اس کے باوجود میں نے مجنوں بننے کی بہت کوشش کی۔ احترام و عقیدت بہت تھی لیکن محبت کیا ہوتی ہے، نہیں جانتا تھا۔ تھک ہار کر کوشش ترک کر دی۔

بھائی! سوٹ کل تک سل جائے گا؟ گاہک نے کپڑے کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

میں نے کہا، شادیوں کا سیزن ہے۔

پھر کب مل سکتا ہے؟

پانچ چھ دن میں بنا دیں گے۔

ٹھیک ہے۔ سوٹ رکھ لیں اور سائز لے لیں۔

سائز لے کر رجسٹر میں اندراج کے لئے نام پوچھا۔

اس نے مسکراتے ہوئے کہا، شمس۔

تیز دھوپ میں چار سو گھنے بادل چھا گئے۔ زور کی بجلی کڑکی اور دل کے طور پر جلوہ آرائی کی — سالوں سے خشک آنکھوں کے بند ٹوٹ گئے۔ آنسوؤں کا ریلا آیا اور وجود بہہ گیا۔ میں گاہک سے معذرت کرتے ہوئے کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا اور پھوٹ پھوٹ کر روتا رہا۔

ایسا لگا اماں دور کھڑی مسکرا رہی ہیں۔

دھوپ میں ایسی بارش ہوئی کہ دل کی بنجر زمین نم ہوگئی۔ خود کو مجنوں سمجھنے والا نہیں جانتا تھا کہ وہ مجنوں نہیں — لیلیٰ ہے۔ میری کیا اوقات کہ کسی کو سنوار سکوں، مجھے تو خود سنورنے کی ضرورت تھی۔ انہوں نے دل میں جگہ دے کر مجھ نصیبوں جلی کو سنوار کر لیلیٰ بنا دیا اور میں لیلیٰ بن گئی۔ عاشقی میرے حصے میں تھی نہ میں عاشق ہوں۔ آج بھی میرے اندر عشق و محبت کی اہلیت نہیں البتہ اب میں خود کو لیلیٰ دیکھتی ہوں۔ میں عشق کر سکتی ہوں نہ عشق کی کٹھن راہوں سے گزرنے کی اہلیت ہے۔ ہاں! محبت قطرہ قطرہ مجھ پر ہر وقت برستی ہے۔ میں کم ظرف ہوں۔ جب جام بھرتا ہے، پیمانہ چھلکتا ہے اور کڑی چلچلاتی دھوپ میں بن بادل برسات ہو جاتی ہے۔

تم چھوڑ نہ جانا اوبچن.....

تم کیا جانو دھوپ کی بارش کو، تم کیا جانو ہجر کی گرمی کو
جب دور تھے مجھ سے او بچن، میرے ہاتھ کی چوڑی اور کنگن
تب گیت تمہارے گاتے تھے، جب یاد مجھے تم آتے تھے
میں ہنستے ہنستے روتی تھی، اور دھوپ میں بارش ہوتی تھی

اب اونٹ ہی بیٹھیں گے

سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتیؒ ساتھیوں کے ہم راہ اجمیر کی طرف روانہ ہوئے۔ اجمیر میں داخل ہونے سے قبل شہر سے باہر انا ساگر جھیل کے کنارے آرام کے لئے رکے۔ کچھ لوگ آئے اور اس مقام پر قیام سے روک دیا۔ کہا، یہ راجا کے اونٹوں کی جگہ ہے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا، میدان وسیع ہے، اونٹ بھی بیٹھ جائیں گے۔

وہ لوگ بضد رہے کہ یہ سرکاری شتر خانہ ہے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا: ٹھیک ہے، اب یہاں اونٹ ہی بیٹھیں گے۔ یہ فرما کر جھیل کے نزدیک پہاڑی کی طرف قدم بڑھا دیے۔

شام کو شتر بانوں نے اونٹوں کو اٹھانا چاہا، وہ اٹھ نہ سکے — جیسے زمین نے جکڑ لیا ہو۔ لاٹھیاں ماری گئیں، اونٹ بلبلانے لگے لیکن جگہ سے نہ ہلے۔ شتر بان پریشان ہوئے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اب کیا کریں؟ کسی نے کہا، معلوم کرو جو لوگ یہاں آرام کرنا چاہ رہے تھے، وہ کون ہیں؟

شتر بان خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پاس آئے اور ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا: کیا چاہتے ہو —؟

انہوں نے کہا، راجا کو اس بات کی خبر ہوئی تو ہمیں سخت سزا دے گا۔ فرمایا، اچھا جاؤ، جا کر دیکھو، اونٹ اٹھ گئے ہوں گے۔ شتر بان بے یقینی کی کیفیت میں واپس آئے تو اونٹ جگہ سے اٹھ چکے تھے۔

محمد علی ضیا

دیکھنا ــــ دیکھنا نہیں ہے

پچاس سال گزرنے کے بعد گزرے ہوئے پچاس سالوں سے واقف ہونے کے لئے اسے مزید پچاس سالوں کی ضرورت نہیں ــــ سب کچھ فلم بن کر لمحے میں سمٹ جاتا ہے۔

مخلوق کی نصف زندگی نیند میں گزرتی ہے۔ نیند میں وہ تمام حواس استعمال ہوتے ہیں جن سے بیداری میں واسطہ پڑتا ہے۔ اس دوران کوئی فرد نہیں سمجھتا کہ میں سو رہا ہوں کیوں کہ وہ باقاعدہ زندگی کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ لہٰذا جب تک نیند سے نہ جاگے، اِس دنیا اور اُس دنیا میں فرق نہیں کرسکتا۔

مثال کے طور پر آدمی رات کو آرام دہ بستر پر سکون سے گہری نیند سو رہا ہے۔ نیند کی دنیا میں خود کو خطرے میں دیکھتا ہے اور دیوار کے پیچھے چھپ کر جان بچانے کی کوشش کرتا ہے، دھڑکن تیز اور جسم پسینے سے شرابور ہے۔ چہرے پر ہوائیاں اڑتی ہیں۔ کیفیات وہی ہیں جو بیداری میں اس قسم کے حالات میں پیش آتی ہیں مگر وہ بیدار ہونے پر سکون کا سانس لیتا ہے کہ یہ خواب تھا۔

کیا ثبوت ہے کہ ہم اِس وقت جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ خواب نہیں ہے ــــ؟ ممکن ہے کہ ہم سو رہے ہیں مگر خود کو بیدار سمجھتے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ جسے بیداری سمجھ رہے ہیں وہ بھی نیند کی دنیا کی طرح ایک دنیا ہو جس سے ہم ابھی بیدار نہیں ہوئے ــــ؟

''اور صور پھونکا جائے گا۔ پس یہ اپنے رب کے حضور پیش ہونے کے لئے قبروں سے نکل آئیں گے۔ کہیں گے کہ ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھایا؟ یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔'' (یٰسٓ:۵۱۔۵۲)

آیئے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارا ذہن کس میکانزم کے تحت کام کرتا ہے۔

جو کچھ ہم دیکھتے یا محسوس کرتے ہیں وہ دماغ میں برقی عصبی نظام کے زیر اثر ہوتا ہے۔ ہم زندگی کا نصف سوتے ہوئے یا خواب کی دنیا میں گزارتے ہیں اس کے باوجود خواب کو غیر حقیقی اور مفروضہ سمجھ کر نظر انداز کردیتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ شعوری اور لاشعوری تحریکات سے ہماری ناواقفیت ہے۔

سائنس مادی زندگی کو اہمیت دیتی ہے اور خواب کو حقیقت اس لئے تسلیم نہیں کرتی کہ جیسے ہی ہم بیدار

ہوتے ہیں خواب ختم ہو جاتا ہے مگر — سائنس اس پر غور نہیں کرتی کہ جب آنکھ بند ہوتی ہے، مادی دنیا بھی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔

غور کریں کہ خواب میں بیداری کے حواس مغلوب ہو جاتے ہیں، ادراک نہیں ہوتا ہم خواب دیکھ رہے ہیں نہ خیال آتا ہے کہ بیداری کی دنیا سے ہمارا تعلق ہے۔ آنکھ کھلنے کے بعد ذہن معنی پہناتا ہے کہ ہم بیدار ہو گئے ہیں اور جو دیکھا وہ خواب تھا۔

محدود ذہن کو خواب میں حالات و واقعات کی ترتیب یاد نہیں رہتی جس طرح بیداری میں واقعات یاد رہتے ہیں مگر بیداری کے نقوش کا اثر خواب میں ظاہر ہوتا ہے اور خواب میں ماضی اور مستقبل کے واقعات سامنے آتے ہیں۔ اصل بات توجہ کی ہے۔ توجہ ہے تو دیکھے گئے مناظر نقش ہو جاتے ہیں، چاہے آپ خواب دیکھ رہے ہوں یا ذہن حواس خمسہ میں تقسیم ہو۔

روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ سفر کے دوران توجہ کسی خیال پر مرکوز ہو تو فرد راستے میں مناظر دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھتا۔ کوئی پوچھے کہ سفر کے دوران کیا دیکھا تو ہم جواب دینے سے قاصر ہیں۔ اسی طرح کسی کام میں مگن ہونے سے بیداری کے حواس میں رہتے ہوئے ہم اطراف سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔

ایک اور مثال موجودہ دور میں بہت تیزی سے پھیلتا ہوا مرض الزائمرز Alzheimer's ہے جس میں مبتلا فرد حالات و واقعات بھولنے لگتا ہے۔ کیفیت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ کچھ دیر قبل کے واقعات اور گفتگو ذہن سے محو ہو جاتی ہے۔ کیا ایسے فرد کی زندگی کو غیر حقیقی تسلیم کیا جا سکتا ہے —؟

لوگ کہتے ہیں کہ ہم خود کو خواب میں اڑتا ہوا دیکھتے ہیں۔ اس دور میں ایسی نشہ آور ادویات موجود ہیں جنہیں استعمال کرنے کے بعد ذہن کے بصری اور اعصابی مراکز میں کیمیائی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں — سمجھ میں نہیں آتا کہ آیا فرد خواب دیکھ رہا ہے یا حالت بیداری میں ہے۔ نشہ کرنے والا اس حالت میں خود کو پرندوں کی طرح پرواز کے قابل سمجھتا ہے۔

امریکا اور دیگر مغربی ممالک میں ایسے واقعات رونما ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں کہ منشیات کے عادی افراد مخصوص نشہ آور ادویات استعمال کرنے کے بعد کئی منزلہ عمارت سے چھلانگ لگا کر اڑنے کی کوشش میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ یہ منشیات عرف عام میں Hallucinogens کہلاتی ہیں۔

خواب کو غیر حقیقی سمجھنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس حالت میں مادی جسم ساکت رہتا ہے اور سارا کام ذہن کرتا ہے۔ نہیں بھولنا چاہئے کہ بیداری میں بھی سارے کام ذہن کے ذریعے انجام پاتے ہیں۔ اگر دماغ کے وہ خلیات جو اعضا کو متحرک رکھتے ہیں، کام نہ کریں تو جسم کام نہیں کرتا۔ اس کی بڑی مثال کوما ہے۔ کوما میں

مریض کا جسم دنوں، مہینوں اور بعض اوقات سالوں حرکت نہیں کرتا لیکن ذہن بیدار ہوتا ہے۔ وہ آوازیں سنتا ہے۔ گفتگو کی جائے تو جملوں کے معنی و مفہوم سمجھتا ہے، اس کے باوجود جسم حرکت نہیں کرتا۔ اسی طرح وہ خیالات جن کا تعلق بصارت سے ہے، متاثر ہو جائیں تو آنکھ موجود ہوتی ہے، نظر نہیں آتا۔ دوسری طرف خواب میں مادی آنکھیں بند ہوتی ہیں لیکن نظر کام کرتی ہے۔

مادی دنیا یا بیداری کو اصل سمجھنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہمیں ہر شے مادی خدوخال میں دیکھنے کی عادت ہے۔ بالفاظ دیگر — ہم اربع عناصر یعنی آگ، ہوا، مٹی اور پانی کا مرکب دیکھتے ہیں۔

خواب روشنی کا زون ہے۔ کیا ہمیں اس دوران روشنی نظر آتی ہے —؟ جب آنکھ بیدار نہ ہو تو ایسے فرد کے لئے خواب کی دنیا بھی فکشن ہے کیوں کہ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے سب مادیت کے زیر اثر ہے۔

قابل غور ہے کہ مادہ بھی روشنی ہے جسے سائنس الیکٹرومیگنیٹک ویوز یا برقی مقناطیسی لہروں کے نام سے جانتی ہے۔ انفرا ریڈ، الٹرا وائلٹ، گاما ریز اور دیگر شعاعیں اسی برقی مقناطیسی طیف (spectrum) کا حصہ ہیں۔ خود محققین کہتے ہیں کہ مادی شعور برقی مقناطیسی لہروں کا ایک فی صد سے بھی کم دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کہنا یہ چاہئے کہ آنکھ سو فی صد میں سے اتنے حصے کو دیکھتی اور معنی پہناتی ہے جو ایک فی صد سے کم ہے۔ یہی ہمارا مشاہدہ بن جاتا ہے۔ یعنی ہم دنیا کو محدود ذہن سے دیکھتے اور معنی پہناتے ہیں، بڑا حصہ نظروں سے اوجھل ہے۔

سائنس متفق ہے کہ مادے کے پس پردہ روشنی کام کرتی ہے۔ مادہ ایٹم سے بنتا ہے اور ایٹم میں الیکٹران روشنی کے سوا کچھ نہیں۔ زمین اور اس پر موجود نباتات، جمادات، حیوانات سب روشنی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ مادی دنیا ظاہر میں مادی ذرّات کا مجموعہ ہے اور باطن میں روشنی پر مشتمل ہے۔ ہم برقی مقناطیسی طیف کا ایک فی صد سے بھی کم دیکھتے ہیں اس لئے ہمارا دیکھنا — دیکھنا نہیں ہے۔

کیا خواب میں کام کرنے والے پرت کا بیداری کے حواس میں گوشت پوست کے جسم سے تعلق ہے؟

احسن الخالقین اللہ کا ارشاد ہے،

''اور ہم نے ہر شے کے جوڑے تخلیق کئے ہیں تا کہ تم غور کرو۔'' (الذّٰریٰت: ۴۹)

ایک شے کے دو رخ ہیں۔ مثال کے طور پر دن رات، تاریکی روشنی، بیماری صحت، مرد عورت، کثافت لطافت، خواب اور بیداری۔ قانون ہے کہ ایک رخ غالب اور دوسرا مغلوب ہوتا ہے۔ نیند میں بیداری اور بیداری میں نیند کے حواس مغلوب ہوتے ہیں۔ زندگی ان میں الٹ پلٹ ہوتی رہتی ہے۔

'' رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو

رات میں ۔ بے جان میں سے جان دار کو نکالتا ہے اور جان دار میں سے بے جان کو۔ اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔'' (اٰل عمران: ۲۷)

حواس میں وسعت پیدا ہو تو خواب میں زاویۂ نگاہ وسیع ہو جاتا ہے اور ہم الیکٹرومیگنیٹک ویوز کا وہ حصہ دیکھنے لگتے ہیں جو عموماً نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے۔ رات کی اسپیس میں داخل ہوتے ہی، سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ہم دنیا میں کہیں بھی پہنچ جاتے ہیں۔ کوئی جگاتا ہے تو اندر موجود وجود اسی رفتار کے ساتھ بستر پر موجود ہوتا ہے۔ اس میں اللہ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے۔

سائنس روشنی کی رفتار ایک لاکھ 86 ہزار دو سو 82 میل فی سیکنڈ تسلیم کرتی ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ تخمینہ صحیح ہے یا غلط، مسلّم ہے کہ روشنی کی رفتار مادے کی رفتار سے کہیں زیادہ ہے۔ خواب روشنی کا عالم ہے اس لئے وہاں رفتار تیز ہے۔ ایک لمحے میں ہم روضۂ رسولؐ پر درود و سلام پیش کرتے ہیں اور دوسرے لمحے میں گھر پر موجود ہوتے ہیں۔ جسے ہم خواب میں دیکھتے ہیں کیا وہ ہم سے الگ ہے یا ہمارا پرت ہے—؟

روحانی سائنس (Spiritual science) توجہ مبذول کرتی ہے کہ مادی جسم کا دوسرا رخ روشنی ہے جس کی تحریکات ہم نیند میں دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔ روحانی بزرگ اسے ''نسمہ یا جسمِ مثالی'' کی تحریکات کا نام دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ روشنی سے بنا ہوا جسم نیگیٹو ہے اور مادی پرت پوزیٹو ہے۔ سائنس مادی پرت کو اصل قرار دیتی ہے حالاں کہ یہ نیگیٹو کا عکس ہے۔

محترم عظیمی صاحب نے ایک سوال کے جواب میں اس قانون کی وضاحت کی ہے،

''خواب دراصل لوحِ محفوظ کا سایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے 'ہم نے ہر چیز جوڑے جوڑے بنائی ہے'۔ چناں چہ ایک سایہ زمین کے اوپر پڑتا ہے اور دوسرا سایہ اس کے بالمقابل آسمان پر پڑتا ہے۔ سایہ جہاں سے نکلتا ہے وہاں پر آدمی الٹا (negative) چل رہا ہے اور جب زمین پر پوزیٹو بنتا ہے تو سیدھا نظر آتا ہے۔ آدمی بیداری کی حالت میں زمین کے اوپر سائے کو دیکھتا ہے۔ مثلاً مکان کا سایہ مکان کی صورت میں نظر آتا ہے۔ درخت کا سایہ درخت کی صورت میں نظر آتا ہے۔ آدمی کا سایہ آدمی کی صورت میں نظر آتا ہے وغیرہ۔ خواب میں بالمقابل سائے کو وہ آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔ آسمان پر بالکل بیداری کی طرح یہی سایہ نظر آتا ہے۔ بیدار ہونے کے بعد یہ سایہ غائب ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ آسمان پر ہوتا ہے اور آسمان نگاہ کی گرفت سے باہر ہے۔ ہم جس کو آسمان دیکھنا کہتے ہیں یعنی یہ نیلا نیلا آسمان جو ہمیں نظر آتا ہے، آسمان نہیں ہے بلکہ حدِ نظر ہے۔''

''ان کے لئے ایک اور نشانی رات ہے۔ ہم اس کے اوپر سے دن ادھیڑ لیتے ہیں تو ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔'' (یٰسٓ: ۳۷)

خواب میں موجود جسم ہم سے الگ نہیں، ہمارا پرت ہے اور ہم پرتوں کا مجموعہ ہیں۔

''جس کو ہم خواب دیکھنا کہتے ہیں ہمیں روح اور روح کی صلاحیتوں کا سراغ دیتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ہم سوئے ہوئے ہیں، تمام اعضا بالکل معطل ہیں۔ صرف سانس کی آمد و شد جاری ہے لیکن خواب دیکھنے کی حالت میں ہم چل پھر رہے ہیں، باتیں کر رہے ہیں، سوچ رہے ہیں، غم زدہ اور خوش ہو رہے ہیں۔ کوئی کام ایسا نہیں ہے کہ جو ہم بیداری کی حالت میں کرتے ہیں اور خواب کی حالت میں نہیں کرتے۔ کوئی شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ خواب دیکھنا صرف ایک خیالی چیز ہے اور خیالی حرکات ہیں، کیوں کہ جب ہم جاگ اٹھتے ہیں تو کیے ہوئے اعمال کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ یہ بالکل لایعنی ہے۔ ہر شخص کی زندگی میں ایک، دو، چار، دس، بیس ایسے خواب ضرور نظر آتے ہیں کہ جاگ اٹھنے کے بعد یا تو اسے نہانے اور غسل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے یا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھنے کے بعد اس کا پورا خوف اور دہشت دل و دماغ پر مسلط ہو جاتا ہے۔ یا جو کچھ خواب میں دیکھا ہے وہی چند گھنٹے، چند دن یا چند مہینے یا چند سال بعد من و عن بیداری کی حالت میں پیش آتا ہے۔ ایک فرد واحد بھی ایسا نہیں ملے گا جس نے اپنی زندگی میں اس طرح کا ایک خواب یا ایک سے زائد خواب نہ دیکھے ہوں۔ اس حقیقت کے پیش نظر اس بات کی تردید ہو جاتی ہے کہ خواب محض خیالی حیثیت رکھتا ہے۔'' (کتاب: لوح و قلم)

خواب کی دنیا روح کی رفتار کا سراغ دیتی ہے۔ روح کے لئے فاصلے حذف ہو جاتے ہیں، اسپیس لپٹتی ہے اور دن، مہینے اور سال لمحوں میں سمٹ جاتے ہیں۔ یہ وہ صلاحیت ہے جس سے اگر فرد واقف ہو جائے تو ماضی میں داخل ہو سکتا ہے اور مستقبل دیکھ لیتا ہے۔ پچاس (50) سال گزرنے کے بعد گزرے ہوئے پچاس سالوں سے واقف ہونے کے لئے اسے مزید پچاس سالوں کی ضرورت نہیں — سب کچھ فلم بن کر لمحے میں سمٹ جاتا ہے۔

ہمارے اندر وہ پرت موجود ہے جس کو غالب کر کے ہم کائنات کی سیر کر سکتے ہیں اور قدرت کی اسپیس سے جتنا اللہ چاہے، واقف ہو سکتے ہیں۔ یہ سفر دن کے حواس میں رہ کر ممکن نہیں — اس کے لئے خواب کی رفتار سے واقف ہونا ہے۔ رفتار کا قانون قرآن کریم میں موجود ہے۔ فرمان الٰہی ہے،

''اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے! رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑی سی رات، نصف رات یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ۔ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ ہم تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے۔ درحقیقت رات کا اٹھنا نفس کے لئے کارگر ہے اور اس وقت ذکر بھی خوب درست ہوتا ہے۔ دن کے وقت تمہیں اور بہت کام ہوتے ہیں۔ تو اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔'' (المزمل: ۱۔۸)

زیرِ سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمیہ روحانی لائبریری برائے خواتین

فری ممبرشپ

فری مطالعہ

روحانی علوم کے متلاشی خواتین وحضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ وطالبات کے لئے عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی

نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

صوفیہ رفعت
(برطانیہ)

ہر صفت اک نشاں ہے اے بے نشان تیرا

متلاشی نگاہوں نے ایک بار پھر غور سے دیکھا اور معلوم ہوا کہ بعض ونڈ اسکرینوں پر گرد و غبار ہے اور کچھ گاڑیاں عمارت کے سائے میں کھڑی ہیں، ان پر سورج کے بجائے عمارت کا سایہ ہے۔ کچھ اسکرینیں سورج کا شفاف عکس دکھا رہی تھیں جب کہ بعض میں عکس دھندلا تھا یا میں نہیں دیکھ سکی۔

مجھے غسلِ آفتاب کا شوق تھا۔ وجۂ شوق کیا بنی ــــ؟ ذہن ماضی کی اوراق گردانی میں مصروف ہو گیا۔ کاسۂ سر میں کوئی عارضہ تھا۔ علاج سے افاقہ نہ ہوا اور جوں جوں دوا کی کے مصداق درد بڑھتا گیا۔

کسی نے کہا کہ تم پر جادو ہے اور کسی نے کہہ دیا کہ نظر بد ہے مگر دل نے دونوں باتیں تسلیم نہیں کیں کہ دل کا اپنا جہان تھا اور وہ تجربات کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔ دل کے جہان میں کوئی مسئلہ طول پکڑتا یا حل ہوتا نظر نہ آتا تو کتابوں کا سہارا لینا مفید ثابت ہوتا تھا۔ مجھے ادھر ادھر کی باتوں کے بجائے کتابوں سے راہ نمائی لینا پسند ہے۔

کتابیں مصنف کی زندگی کا نچوڑ ہوتی ہیں۔ بعض چیزیں ہم اپنے حالات اور بعض دوسروں کے تجربات و مشاہدات سے سیکھتے ہیں۔ ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ میں ان مصنفین کی کتابوں کا مطالعہ کروں جن کو قدرت نے نورِ فراست عطا کیا ہے۔ ایسی تحریریں زندگی کو ''زندگی'' کی نظر سے دیکھتی ہیں اور زندگی ''اللہ کا نور'' ہے۔

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔'' (النور:۳۵)

آسمانوں اور زمین میں حیات اللہ کے نور سے ہے۔

مطالعے کے دوران ایک عبارت من کو بھا گئی جس کے خوب صورت پیرائے نے دل کے آنگن میں امید کا دیپ جلایا۔ عبارت کچھ یوں تھی،

''یقین کے اندر رحمت کا راز ہے۔ یقین ہی دماغ، دل، جسم اور روح کی طاقت ہے۔ قدرت کے کروڑوں انعامات رنگوں کی صورت میں جلوہ نما ہیں۔ چاند کی مدھم چاندنی کا رنگ اور خود چاند کا رنگ، سورج کا طلوع و غروب، نورانی ستارے، سفید بادلوں کا رقص، تاروں بھرا آسمان، آسمان پر چہچہاتے اور پروں کو کھولتے، پھیلاتے اور سمیٹتے پرندے۔ زمین پر آب و گِل، گُل و گل زار، گلوں کے رنگ، خوش ذائقہ پھل، سبزہ زار، اشجار، طیور ــــ کتنی حسین ہے یہ کائنات اور کائنات میں رنگ برنگ انعاماتِ قدرت۔ ہم

ان پر غور وفکر نہ کر کے خسارے میں ہیں۔''

ذہن گہرائی میں ڈوب گیا اور گہرائی سے جب سطح پر آیا تو سورج اور اس کی دھوپ کے بارے میں جاننے کا خیال ساتھ لایا۔ خیالات کا آنا اور ان میں چھپے مفہوم اور سوالوں کا بھی عجب سلسلہ ہے۔ سوال خیال کے ذریعے آتا ہے اور جواب بھی خیال میں پنہاں ہوتا ہے۔ ان دونوں خیالوں کے درمیان فاصلہ یعنی سوال سے جواب تک رسائی کا انحصار فرد پر ہے۔

سر درد دور کرنے کے لئے میں نے سورج کی دھوپ سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کیا اور عرصہ دراز سے مادی وجود کا بالائی خانہ جس کسمپرسی کا شکار تھا اسے بغیر دام و درہم اور مشقت کے مرمت میسر آ گئی۔ جسم کو جن لہروں اور رنگوں کی ضرورت تھی وہ سورج سے منعکس ہونے والی روشنی میں موجود تھے۔ حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے دل تشکر سے لبریز ہو گیا۔ غور کریں تو خالق کائنات نے زمین کے ہر ذرّے اور لہر میں مخلوق کے لئے انعامات اور شفا رکھی ہے۔ کسی شاعر نے شکر کے جذبات کو خوب صورتی سے بیان کیا ہے،

اے خالقِ جہاں ہے سارا جہان تیرا
ساری زمین تیری یہ آسمان تیرا
سب نعمتیں جہاں کی تو نے ہمیں عطا کیں
کیا شکر کر سکیں ہم اے مہربان تیرا
تو صانعِ جہاں ہے قدرت تیری عیاں ہے
ہر صفت اک نشاں ہے اے بے نشان تیرا
ہر وقت ذکر تیرا یارب کریں نہ کیوں ہم
دل مطمئن ہو جس سے وہ ہے نشان تیرا
پہچانتے ہیں تجھ کو ہم علم کی بدولت
اس سے ہے قرب حاصل اے مہربان تیرا
فرشِ زمیں ہے یارب راحت کا فرش ہم کو
رحمت کا سائبان ہے یہ آسمان تیرا
توفیق دے الٰہی ہم سے ہو تیری طاعت
یہ سر رہے ہمارا اور آستان تیرا

حالات نے کروٹ بدلی، کئی موسم آئے اور گزر گئے۔ خوشی خوشی سفرِ زیست جاری رہا۔ آفتابی کرنوں سے انس پیدا ہو چکا تھا بلکہ یوں کہئے کہ یہ میرا بہترین مشغلہ بن گیا تھا۔ جسم کو وٹامن ڈی کی ضرورت ہے اور اس کا ایک قدرتی ذریعہ صبح کی دھوپ ہے۔ دھوپ میں بیٹھ کر قدرت کے نظاروں اور کتابوں کے مطالعے کا شوق بھی پورا ہوتا۔ خود کو مصروف رکھنے کے طریقے بے شمار ہیں البتہ مصروفیت کا مفید ہونا ضروری ہے۔

وکٹورین طرز تعمیر کے دو منزلہ مکانات کے درمیان صاف ستھری اسٹریٹ کے دونوں طرف حدنگاہ تک مختلف رنگوں کی قیمتی گاڑیوں کی دو قطاریں نظر آ رہی تھیں۔ سنہری دھوپ سے صبح کا آغاز ہو گیا تھا۔

ایک منظر نے توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔

دنیائے آسمان پر مشرقی سمت میں آفتاب اپنی حشر

سامائیوں کے ساتھ جلوہ افروز تھا۔ اس کا عکس سڑک پر دائیں اور بائیں طویل قطار میں کھڑی گاڑیوں کی ونڈ اسکرینوں پر اپنے حسن کی ضیا پاشیوں میں مگن دکھائی دیا اور یہ منظر دیکھ کر دلِ مضطر حیرت میں ڈوب گیا۔

جب قلب و ذہن لمحاتِ حیرت میں مقیّد تھے اور نگاہِ شوق سرور میں مست تھی تو ایک سوال کی جسارت اتنی بڑھی کہ ان سحر آفرین لمحات میں اس کا جواب تلاش کیا۔ سوال تھا کہ سورج کا عکس ساری ونڈ اسکرینوں پر کیوں نہیں ہے — ؟

متلاشی نگاہوں نے ایک بار پھر غور سے دیکھا اور معلوم ہوا کہ بعض ونڈ اسکرینوں پر گرد و غبار ہے اور کچھ گاڑیاں عمارت کے سائے میں کھڑی ہیں، ان پر سورج کے بجائے عمارت کا سایہ ہے۔ کچھ اسکرینیں سورج کا شفاف عکس دکھا رہی تھیں جب کہ بعض میں عکس دھندلا تھا یا میں نہیں دیکھ سکی۔

مجھے تعجب ہوا کہ جن گاڑیوں پر عمارت کا سایہ پڑ رہا ہے کیا ان عمارتوں کی دیواریں بھی روشنی ہیں — ؟

عکس پڑنے کے لئے چیزوں میں روشنی کا ہونا ضروری ہے کیوں کہ روشنی کے دم سے لہریں ہیں، لہریں ایسا غلاف ہیں جن میں عکس مخفی ہوتا ہے اور ہر چیز یہاں عکس کا مظاہرہ ہے۔ بلاشبہ سارے مناظر روشنی کی تخلیق ہیں۔

ونڈ اسکرینوں پر جما ہوا گرد و غبار دیکھ کر ذہن سے نکلنے والی لہریں گرد و غبار میں جذب ہوئیں اور کچھ دیر بعد سوالات نے سر اٹھایا۔

۱۔ کیا آئینہ قلب کے مماثل نہیں ہے — ؟

۲۔ اگر ہے اور آئینہ صیقل نہ ہو تو نظر کیا آئے گا — ؟

۳۔ ''گرد و غبار'' دل کا آئینہ بن جائے تو دل خود کو نہیں دیکھتا اور جب دل خود کو نہیں دیکھتا تو اسے اور کیا نظر آئے گا — ؟

میں خوشیوں کے لئے بڑے واقعات کا انتظار نہیں کرتی، انہیں حالات کی جزئیات میں تلاش کرتی ہوں اور خوش رہتی ہوں۔ سورج کی دھوپ سے صحت یابی بظاہر معمولی اور روزمرہ کی بات دکھائی دیتی ہے۔ لوگ سردیوں کے موسم میں دھوپ میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں اور جسم کو راحت ملتی ہے، گرمیوں میں دھوپ سے دور رہنے کو ترجیح دی جاتی ہے مگر وجہ تلاش نہیں کی جاتی کہ دھوپ سے ہمارا رشتہ کیا ہے — ؟ میں نے زیادہ تر لوگوں کو یہ امر نظر انداز کرتے دیکھا ہے لیکن میرے لئے قدرت کی یہ کاریگری عجوبہ ہے۔

سورج اور میں دو الگ وجود ہیں مگر اس سے منعکس ہونے والی روشنی میرے کَل پرزوں کو چلانے کا سبب ہے۔ پھر سورج اور میں دو الگ وجود کیسے ہوئے — ؟

سورج میں حدت روشنی کی وجہ سے ہے اور مجھے بھی حرکت میں رہنے کے لئے روشنی کی ضرورت ہے پھر روشنی کے علاوہ ہماری کوئی حیثیت ہے — ؟

خیال نے یاد دہانی کی کہ سر کا درد دھوپ میں کچھ

دیر بیٹھنے سے ٹھیک ہوا، جس نعمت سے راحت ملی ہے کیوں نہ اس کے بارے میں جانا جائے۔

عظیمی صاحب کی تالیف ''محمد رسول اللہؐ جلد دوم'' ذہن کی آبیاری اور علم کی تشنگی دور کرنے کا ذریعہ بنی۔

''زمین ایک گلوب ہے جو اپنے مدار پر ہر وقت متحرک رہتا ہے۔ زمین کے دو وجود ہیں۔ ایک وجود ظاہری ہے اور زمین کا دوسرا وجود باطنی ہے۔ زمین کا باطنی وجود ایسی ماورائی لہروں سے بنا ہوا ہے جو براہِ راست نور سے فیڈ ہوتی ہیں۔ یہ روشنیاں ماورائے بنفشی شعاعوں سے بھی زیادہ لطیف ہیں۔ کسی بھی مادی وسیلے سے نظر نہ آنے والی روشنیاں سورج کے اوپر منعکس ہوتی رہتی ہیں۔ سورج ایک ایسا سیاہ طباق ہے یا توے کی طرح ہے جس میں اتنی تاریکی اور سیاہی ہے کہ دنیا میں لاکھوں سال میں رائج الفاظ میں اس تاریکی کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس سیاہ توے یا سورج پر جب لطیف روشنیاں پڑتی ہیں تو سورج سے منعکس ہو کر زمین پر آتی ہیں اور یہی وہ روشنی ہے جس کو دھوپ کہتے ہیں۔''

نوع انسانی کی فلاح چاہنے والے اللہ کے ایک دوست کی علم و حکمت سے بھرپور تحریر پر غور و خوض سے ذہن کو آگے بڑھنے کا راستہ ملا۔ زمین ایک گلوب ہے۔ گلوب کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔ گلوب کا باطن ماورائی لہروں سے بنا ہے جو نور سے فیڈ ہوتی ہیں۔ نور کہیں سے آتا ہے اور زمین کے باطن کو توانائی سے سیراب کرتا ہے جس کے بعد یہ توانائی لہروں کی صورت میں گلوب میں بکھرتی ہے اور لہروں میں چھپے ہوئے نقش و نگار ظاہر ہوتے ہیں۔

مادی محققین سورج کو روشنی کا سورس سمجھتے ہیں جب کہ سورج کے غروب ہونے کے بعد بھی زمین روشن ہوتی ہے۔ اگر روشنی سورج سے آتی ہے تو اس روشنی کو کم یا زیادہ، تیز یا ہلکا کون کرتا ہے—؟

علمائے باطن فرماتے ہیں کہ سورج سیاہ توا ہے۔

ٹی وی کی اسکرین ہو یا سنیما کی، جب تک اسے کرنٹ نہیں ملتا، سیاہ توے کی مانند دکھائی دیتی ہے۔ کرنٹ ملنے سے اسکرین روشن ہوتی ہے لیکن کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ روشنی اسکرین کی اپنی ہے۔

براڈ کاسٹنگ اسٹیشن سے لہریں مخصوص فریکوئنسی میں سفر کرتی ہیں، وہی فریکوئنسی ٹی وی چینلوں پر بھی سیٹ ہوتی ہے اور ہم اسکرین پر نشریات دیکھتے ہیں۔ لہریں جہاں سے آ رہی ہیں اور جس اسکرین پر بکھر رہی ہیں، دونوں طرف فریکوئنسی کا ایک ہونا ضروری ہے ورنہ منظر نظر نہیں آتا۔

یہاں ہر شے روشن ہے اور یہ روشنی کسی اور کی ہے۔ قدرت جب چاہتی ہے شے کو غیب سے ظاہر میں لاتی ہے اور ظاہر کو غیب کر دیتی ہے۔ جس ہستی کے دم سے زمین و آسمان روشن ہیں، اس کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔'' (النور: ۳۵)

عبدالوحید نظامی

جوڑے دہرے

جس طرح آم کے اندر درخت نظر نہیں آتا، اسی طرح درخت کے اندر آم اس وقت نظر آتا ہے جب درخت آم کو یا آم درخت کو خود سے الگ ظاہر کرتا ہے۔

''دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں، پھر بھی ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔'' (الرحمٰن:۱۹۔۲۰)

تفکر راز کھولتا ہے کہ کائنات میں ساری چیزیں کشش اور گریز پر قائم ہیں۔ کشش، گریز کے درمیان ایسا پردہ ہے جو کشش کو گریز سے اور گریز کو کشش سے الگ کرتا ہے۔ یہ پردہ ختم ہو جائے تو

دو چیزوں کے درمیان فرق مٹ جائے گا،

حرکت رک جائے گی،

اور نظام زندگی معطل ہو جائے گا۔

جسم میں حدت پیدا ہوتی ہے تو پانی کی کمی دور کرنے کے لئے پیاس کا تقاضا ابھرتا ہے۔ آدمی پانی پینے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ حدت کی لہریں، پانی کی لہروں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ حدت جتنی زیادہ بڑھتی ہے، پانی اسی مناسبت سے استعمال ہوتا ہے۔ کم حدت میں پانی کم پیا جاتا ہے اور زیادہ حدت میں پانی کی طلب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ پانی کی طلب کم یا زیادہ ہونا کشش کی مقداریں ہیں۔

پانی جسم کے اندر گیا، ٹھنڈک پیدا ہوئی اور ٹھنڈک نے پانی کی کمی عارضی طور پر پوری کر کے جسم کو سیراب کیا، یہ پیاس اور حدت سے گریز ہے۔ اسی طرح پانی جب جسم میں جذب ہونے کے بعد خارج ہوا تو یہ پانی کا جسم سے گریز ہے۔ آدمی کا پانی کی طرف متوجہ ہونا فکر کا وہ رخ ہے جو اس نے جسم کو اہمیت دیتے ہوئے اپنایا ہے۔

اگر فرد پانی کو مرکز بنا کر پیاس کے تقاضے پر غور کرے تو دیکھے گا کہ اس نے پانی کو نہیں، پانی نے اسے اپنی طرف کھینچا جسے اس نے پیاس کا نام دیا۔ اس دوران طلب اور گریز سے جو کیفیات پیدا ہوئیں، وہ کیفیات مقداریں ہیں۔ اصل صورت یہ ہے کہ بندہ پانی کی طرف اس لئے متوجہ ہوا جب پانی نے بندے کو اپنی طرف کھینچا۔ پانی کی ضرورت پیاس کا تقاضا پیدا ہونے پر محسوس ہوئی۔ لہٰذا یہ پیاس اور پانی ہے جو فرد کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

پانی، پیاس اور آدمی کے درمیان پردہ ہے جس سے حرکت اور مقداروں کے فارمولے کا انکشاف ہوتا ہے۔ پانی نے حرکت کی اور آدمی نے بھی حرکت کی۔ حرکت سے پانی کی مقدار کا تعین ہوا۔ دونوں (آدمی اور پانی) ملے پھر الگ ہو گئے۔ ملنا اور الگ ہونا کشش اور گریز ہے۔

خوراک کے حصول میں یہی عمل کارفرما ہے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ ہم غذا کی طرف متوجہ ہوئے، حقیقت یہ ہے کہ غذا نے ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ بھوک کا تقاضا پیدا ہونے سے بھوک ہمیں اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جس طرح ہم نے پانی نہیں پیا، پانی نے ہمیں پیا، اسی طرح ہم نے کھانا نہیں کھایا، کھانے نے ہمیں کھایا۔ اس کے باوجود غذا ختم ہوتی ہے نہ آدمی۔ پیاس ختم ہوتی ہے نہ پانی۔ کیوں کہ اسی غذا سے اسپرم بنتا ہے اور مخلوق پیدا ہوتی ہے۔ شماریات سے زیادہ برس گزر گئے، بھوک، پیاس اور دیگر تقاضوں کی شکل میں کشش گریز کا قانون خود کو دہرا رہا ہے۔ محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''ہمارے اندر جب کوئی تقاضا پیدا ہوتا ہے تو اس کی اطلاع وارد ہوتی ہے کہ جسم اپنی انرجی اور طاقت بحال رکھنے کے لئے کسی چیز کا مطالبہ کر رہا ہے۔ ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ جسم کو گرم و سرد وسائل یا خورونوش کی ضرورت ہے۔ اس نقطے پر ان تمام چیزوں کے نقوش بن جاتے ہیں اور یہ نقوش ہی جسمانی نشوونما کی بنیاد بنتے ہیں۔ اسی صورت میں کھانے پینے اور استعمال کی دوسری چیزوں کے اندر کام کرنے والی لہریں انسان کو اپنے اندر کھینچنے لگتی ہیں۔

قانون: ہم کہتے ہیں کہ ہم روٹی کھاتے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ گندم کے اندر روشنی یا energy ہمیں اپنی طرف کھینچتی ہے اور جب ہم اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جاتے ہیں تو ہمارے اندر کی بھوک گندم کے اندر جذب ہو جاتی ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ ہم چاول یا گندم نہیں کھاتے بلکہ چاول یا گندم ہمیں کھا جاتے ہیں۔ گندم کے اندر کشش ثقل موجود ہے، کشش ثقل ہمیں کھینچ لیتی ہے، ہم کشش ثقل کو نہیں کھینچتے۔ جب ہمارے اندر یہ تقاضا پوری گہرائیوں کے ساتھ سرگرم عمل ہو جاتا ہے تو ہمیں بھوک کا احساس ہوتا ہے۔ احساس سے مراد یہ ہے کہ اب ہم بغیر کھانا کھائے نہیں رہ سکتے۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں کھانا مظہر بن جاتا ہے۔'' (کتاب: نظریۂ رنگ و نور)

کشش اور گریز کی ایک مثال افزائشِ نسل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نر اور مادہ کے اندر کشش اور گریز کا جذبہ رکھا ہے۔ ان سے ایک طرف نسل بڑھتی ہے اور دوسری طرف گھٹتی ہے، ساتھ میں نسل میں توازن برقرار رہتا ہے۔ تخلیق نر و مادہ کا مرکب ہے اور نر و مادہ نسل در نسل اپنے آباؤ اجداد کا اجتماع ہے۔ پیدا ہونے والا بچہ کوئی اور نہیں، آباؤ اجداد کی تصویر ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''وہ تمہاری ماؤں کے رحموں میں جیسی چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے۔'' (آل عمران : ٦)

نر اور مادہ ملنے سے جو صورت بنتی ہے وہ طبق در طبق مقررہ وقت کے بعد حسین اور نرم و ملائم وجود بن جاتی ہے۔ بچے کا ایک حالت سے دوسری حالت میں داخل ہونا کشش اور گزشتہ حالتوں سے دوری گریز ہے۔ ایک وقت کے بعد وہ ماں کے جسم سے الگ ہو جاتا ہے لیکن دونوں کے درمیان کشش قائم رہتی ہے۔

اللہ نے ہر شے جوڑے دہرے تخلیق فرمائی ہے۔

'' اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کے کھونٹے گاڑے اور دریا پیدا کئے۔ اور ہر طرح کے ثمرات کے جوڑے دہرے بنائے۔ وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے۔ غور کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔'' (الرعد: ٣)

زمین کا پھیلنا اپنے مرکز سے گریز ہے۔ پھیلنے کے باوجود زمین اپنے مدار میں گردش کرتی ہے اور مرکز سے قائم رہتی ہے، یہ کشش ہے۔ ہر تخلیق کے جوڑے دہرے مذکورہ قانون کے تحت ہیں۔ جوڑے سے مراد شے کا نصف ہے۔ شے ایک ہے، نصف اس کے دو حصے ہیں۔ رات کشش کی بدولت دن کا لباس پہنتی ہے، اس عمل سے رات کا پردے میں چھپنا گریز ہے۔

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ فرماتے ہیں،

'' شے میں کشش اور گریز کی مقداریں برابر ہوتی ہیں کیوں کہ لہریں جتنی توانائی سے ایک دوسرے کی طرف رجوع کرتی ہیں، اتنی ہی مقدار میں توانائی کے ذریعے گریز کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چیزیں اپنے مقامات پر متحرک لیکن ٹھہری ہوئی نظر آتی ہیں۔''

جوڑا کیسے بنتا ہے اور وہ دہرا کیسے ہوتا ہے—؟

ریڑھی کے اوپر رکھا ہوا آم، درخت ہے، اور زمین کے اوپر اُگا ہوا درخت آم ہے۔ جس طرح آم کے اندر درخت نظر نہیں آتا، اسی طرح درخت کے اندر آم اس وقت نظر آتا ہے جب درخت آم کو یا آم درخت کو خود سے الگ ظاہر کرتا ہے۔

★ آم میں نر و مادہ ''جوڑا'' ہے۔

★ آم اور اس کے اندر درخت ''دہرا'' رخ ہے۔

یہ قانون دنیا کے تمام نباتات، حیوانات، جمادات، فلکیات، آدمی اور انسان غرض پوری کائنات پر لاگو ہے اور اسی بنیاد پر کائنات کا نظام چل رہا ہے۔

''اے لوگو! اللہ کے لئے تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں نفسِ واحدہ سے تخلیق کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا اور ان سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔'' (النسآء: ١)

زمین پر غذا میں شامل ہر چیز مٹھاس اور نمک کا مرکب ہے لیکن ہماری خوراک میں سو (100) فی صد مٹھاس کی مقداریں غالب ہیں۔ نمکین شے بھی نمکین اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ اس کے اندر مغلوب رخ مٹھاس ہے۔ جو لوگ مٹھاس کم اور نمکین، ترش اور مرچ

مسالوں کا استعمال زیادہ کرتے ہیں، ان کے جسم میں نمک کی زیادتی ہوتی ہے اور مزاج تبدیل ہونا شروع ہوتا ہے۔ بندہ تبدیلی کی وجوہات سے واقف نہیں ہوتا نہ اثرات توازن میں رکھنے پر قدرت رکھتا ہے اس لئے ذہنی اور جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ہر شے پانی سے بنی ہے، تازہ پانی میں نمکیات موجود ہیں لیکن مٹھاس غالب ہے۔ ہر کھانے والی چیز میں گلوکوز کی مقدار لازم ہے۔ مٹھاس کشش کے قائم مقام ہے کیوں کہ میٹھی چیزوں میں چپک ہے اور گریز نمک کی تمثیل ہے کہ نمک سے ذرّات کھلتے ہیں۔

تجربے کے لئے اگر آپ نمک سے بھری ہوئی چیز کھائیں جیسے نمک میں پکائے گئے بیج۔ بیج کے چھلکے ہونٹ پر لگنے سے ہونٹ پھٹتے ہیں۔ اسی طرح زیادہ دیر نمک میں کام کرنے سے جلد ادھڑنے لگتی ہے۔

کشش اور گریز ایک ہی شے کے دو نام ہیں۔

''الف'' اور ''پ'' کے درمیان ''ب'' ہے۔

★ ب جب الف کی طرف رجوع کرتا ہے تو پ کے لئے گریز اور الف کے لئے کشش ہے۔

★ ب جب پ سے رجوع کرتا ہے تو الف کے لئے گریز اور پ کے لئے کشش ہے۔

ایک شے، ایک ہی وقت میں کشش اور گریز ہے۔ ان کے درمیان پردہ ہے۔ کیا پردہ واقعی دو شے کے درمیان ہے —؟ رات دن میں داخل ہوتی ہے اور دن رات میں، اگر ان کے درمیان پردہ ہوتا تو یہ ایک دوسرے میں داخل نہ ہوتے۔ پردہ ہمارے ذہن کا ہے۔ ہماری لاعلمی یا فہم میں کمی پردہ ہے۔ ذہن میں سے پردہ ختم کر لیا جائے تو بندہ شے کی مطلق حیثیت سے واقف ہو جائے گا۔

''پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کئے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس میں سے یا ان اشیا میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں۔'' (یٰسٓ: ۳۶)

کائنات میں بے شمار عالمین ہیں، ہر عالم میں زمین ہے، زمین اسکرین ہے اور آسمان وہ مقام ہے جہاں سے زمین کی اسکرین پر روشنی منعکس ہوتی ہے۔ آسمان میں روشنی کی مقداریں زمین پر بھی موجود ہیں اسی لئے جب بارش برستی ہے تو انواع و اقسام کی مخلوق ظاہر ہوتی ہے۔ یہ زمین و آسمان کی ایک دوسرے کے لئے کشش ہے۔ دونوں کے درمیان خلا نے آسمان و زمین کو ملنے سے روکا ہوا ہے — خلا گریز ہے۔

کشش اور گریز کا عمل ہمیشہ دو وجود (جوڑے) کے درمیان ہوتا ہے۔ آم کا زمین کے اندر جانا کشش ہے، زمین کا آم کے درخت کو باہر نکالنا گریز ہے۔ مزید تفکر سے انکشاف ہوتا ہے کہ آم اور درخت دراصل دونوں مٹی کے اندر سے نکل رہے ہیں۔ اگر درخت مٹی کے اندر ہے تو پھل دے گا، اور پھل کا بیج

مٹی میں جانے سے درخت وجود میں آئے گا۔

گویا درخت اور پھل مٹی کے دو روپ ہیں۔

تفکر سے ذہن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ سورج، چاند، ستارے، آم، درخت، پانی، آدمی، حیوان، گندم اور زمین سب مٹی کی مختلف صورتیں ہیں۔ سورج اور چاند سے منعکس ہوکر آنے والی روشنی زمین سے جڑی ہوئی ہے۔ زمین روشنی جذب کرکے مخلوقات ظاہر کرتی ہے۔ ہمیں پورے نظام کو سمجھنے کے لئے اپنے ذہن میں سے پردے کو ختم کرنا ہے۔ پردہ کیا ہے ــــ؟

خالق کائنات کا ارشاد ہے،

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق میں چراغ ہو، چراغ فانوس میں ہو، فانوس کا حال یہ ہو جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا، اور وہ چراغ زیتون کے ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو شرقی ہو نہ غربی، جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکتا ہو چاہے آگ اس کو نہ لگے، نور پر نور۔ اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہے راہ نمائی فرماتا ہے، وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے۔ وہ ہر چیز سے واقف ہے۔'' (النور: ۳۵)

ہر شے کی بنیاد نور ہے۔ ہم نورانی دنیا کا علم نہیں رکھتے اس لئے رات کو دن میں اور دن کو رات میں تبدیل ہوتا دیکھتے ہیں۔ خالق کائنات کا ارشاد ہے،

۱۔ ''رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور بے جان میں سے جان دار کو نکالتا ہے اور جان دار میں سے بے جان کو۔''

(آل عمران: ۲۷)

۲۔ ''ان کے لئے ایک اور نشانی رات ہے، ہم اس کے اوپر سے دن ہٹا دیتے ہیں تو ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔'' (یٰسٓ: ۳۷)

۳۔ ''اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے۔ وہی دن پر رات اور رات پر دن کو لپیٹتا ہے۔ اسی نے سورج اور چاند کو اس طرح مسخر کر رکھا ہے کہ ہر ایک، ایک مقررہ وقت تک چلے جا رہا ہے۔ جان رکھو، وہ عزیز اور درگزر کرنے والا ہے۔'' (الزمر: ۵)

آیات میں رات اور دن کے قوانین پر غور کریں اور جو بات ذہن میں آئے، لکھ لیں۔

جس طرح ہم رات کو دن سے الگ دیکھتے ہیں، اسی طرح مرد کو عورت کا متضاد اور عورت کو مرد کے برعکس سمجھتے ہیں۔ دراصل بنیاد سے عدم واقفیت نظر کا پردہ بن جاتی ہے۔

یہ تحریر ستمبر 2019ء کے ''آج کی بات'' پر تفکر کرکے لکھی ہے۔ مقصد تخلیقی رموز سمجھنے میں اپنی اصلاح ہے۔ تفکر سے عجائباتِ کائنات کو سمجھنے کے لئے ذہن میں روزن کھلے۔ ''آج کی بات'' میں کئی قوانین مربوط ہیں لہٰذا صفحات مدنظر رکھتے ہوئے موضوع کو کشش اور گریز تک محدود رکھنے کی کوشش کی ہے۔

شہر بانو

عنوان قارئین بتائیں

چوتھا نوجوان نہایت خوش شکل اور نفیس لباس میں تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ تھی اور یکسوئی سے کیرم کھیلنے میں مصروف تھا۔ حیرت ہوئی کہ ذہنی امراض کے مرکز میں اس کا کیا کام —؟ شاید میری طرح یہ بھی ان لوگوں کے ساتھ وقت گزارنے آیا ہے۔

کالج میں پہلے دن جس لڑکی سے میرا تعارف ہوا، گریجویشن کے بعد اسی سے رابطہ رہا۔ وہ دوسری لڑکیوں سے مختلف تھی، کام سے کام رکھتی اور بات ایسی کرتی تھی کہ دل آزاری نہ ہو۔ مزاج کے خلاف بات پر خاموشی اختیار کرلیتی۔ اسے غصہ نہیں آتا تھا۔ اگر کبھی بھولے بھٹکے آجاتا تو غصہ کرتے ہوئے ہنس پڑتی تھی۔

کالج کے بعد ہم نے ایک ہی یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ مضمون مختلف ہونے کی وجہ سے شعبے الگ تھے۔ رابطے میں کسی حد تک کمی آگئی۔ کچھ عرصے بعد فون پر بات ہوئی، آواز بتارہی تھی وہ پریشان ہے۔

پوچھا کیا بات ہے؟

بتایا کہ گھر والے میری مرضی کے خلاف شادی کرنا چاہتے ہیں۔ لڑکا ہماری برادری کا اور پہلے سے شادی شدہ ہے۔ بیوی چھوڑ کر جاچکی ہے۔ جس سے میں شادی کرنا چاہتی ہوں، گھر والے تیار نہیں۔ کہتے ہیں وہ ہماری برادری کا نہیں۔ بتاؤ کیا کروں —؟ جہاں میں چاہتی ہوں بے شک شادی وہاں نہ ہو لیکن گھر والوں کی پسند پر ذہن آمادہ نہیں۔

میں نے کہا، مذہب نے شادی کے معاملے میں تمہیں خودمختار بنایا ہے۔ آنٹی سے بات کرو، بتاؤ کہ تم اس رشتے سے خوش نہیں۔ پوری زندگی کا معاملہ ہے، زبردستی نہیں کرنی چاہئے۔ کیا لڑکے کا برادری میں سے ہونا رشتے کا معیار ہے —؟

میں جانتی تھی وہ مشورے پر عمل نہیں کرے گی۔ وہ سمجھتی تھی کہ انکار سے ماں باپ کو تکلیف پہنچے گی۔ رضامندی ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی اور منع کرکے انکار پر قائم رہنے کی ہمت نہیں تھی۔

گھر والوں نے مرضی کے خلاف رشتہ منظور کرلیا۔ شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ اس کے گھر کا ماحول سخت نہیں تھا مگر رشتے کے معاملے میں سب نے آنکھیں بند کرلیں۔ شاید ہر ماں باپ کی طرح وہ سمجھتے تھے ہم نے بیٹی کے لئے اچھا فیصلہ کیا ہے۔

میری دوست صدمہ برداشت نہیں کرسکی ۔ اندر ہی اندر گھلتی رہی ۔ میں ہمت بندھاتی کہ اگر تم اپنے حق کے لئے آواز اٹھاؤ، قدرت مدد کرے گی۔

رشتہ طے ہونے کے بعد اس نے ایک لفظ نہیں کہا۔ ذہنی کشمکش کی وجہ سے ڈپریشن میں چلی گئی۔ سر میں درد رہنے لگا۔ اپنوں کی بے حسی نے دیمک کی طرح کھانا شروع کردیا۔ دیمک زدہ دیوار بظاہر کھڑی نظر آتی ہے، ہاتھ لگانے پر بکھر جاتی ہے۔

ایک صبح جاگنے کے بعد گردن پر ابھار محسوس ہوا۔ ہاتھ لگایا ــــ بڑا پھوڑا تھا۔ ڈاکٹر نے مہلک بیماری تشخیص کی۔ جس نے دیکھا، دھچکا لگا کہ راتوں رات اتنا بڑا پھوڑا کیسے بن سکتا ہے لیکن ــــ وہ راتوں رات نہیں بنا تھا۔ اسے بننے میں ڈیڑھ سال لگے، ظاہر وہ رات کے کسی لمحے میں ہوا۔

سرجری سے وقتی طور پر ختم ہوکر پھوڑا کچھ وقت کے بعد دوبارہ ظاہر ہوگیا۔ علاج جاری رہا مگر مرض آخری درجے میں داخل ہوچکا تھا۔ ماں باپ اور بہن بھائی بدحواس تھے۔ علاج کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگ دوڑ جاری تھی۔ مرض دور نہیں ہوا۔ سب نے کوشش کی کہ وہ بیماری کو شکست دے دے۔ گھر والوں نے خیال رکھا، ماں باپ اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتے مگر نوالہ اب حلق سے نہیں اترتا تھا۔

علاج کے دوران ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ تاخیر ہوگئی۔ معلوم ہوا اسپتال میں ہے۔ میں ملنے گئی۔ اس نے نظریں چرالیں۔ تین ہفتوں میں وہ بہت بدل گئی تھی۔ میں نے ظاہر نہیں کیا اور گلے ملنے کے لئے آگے بڑھی، اس کے چہرے پر وہی دل آویز مسکراہٹ بکھر گئی۔ ہمارے معاشرے میں کوئی شخص ذہنی کشمکش یا مہلک بیماری کا ذکر کرتا ہے، چہروں پر تشویش نمایاں ہوجاتی ہے جس سے مریض کو لگتا ہے بیماری کا تدارک ممکن نہیں۔ میرے چونکنے پر اسے تکلیف پہنچتی۔ وہ مطمئن ہوگئی کہ اس کا چہرہ تبدیل نہیں ہوا، لوگ پہچان رہے ہیں۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ جس لڑکی کو میں جانتی تھی، یہ وہ نہیں تھی ــــ میرے سامنے ہڈیوں کا پنجر تھا!

دوست گھر والوں کی توجہ سے خوش رہنے لگی۔ اسے امید تھی کہ صحت یاب ہوجائے گی البتہ بعض لوگوں کی آنکھوں میں ناامیدی پریشان کردیتی۔ مہلک بیماری کا علاج انتہائی تکلیف دہ تھا۔ آئینے میں نامانوس چہرہ دیکھ کر آنکھیں بھیگنے لگیں۔ سیاہ چمک دار خوب صورت لمبے بال جھڑ چکے تھے۔

ایک روز فون پر کہا، میرے لئے وگ لے آؤ۔

میں نے تصاویر بھیجیں کہ ان میں سے پسند کرلو۔

میں جانتی تھی وہ وگ نہیں پہنے گی۔

ایک شام بہت پُرامید اور چہکتے ہوئے لہجے میں کہا، علاج کا آخری سیشن رہ گیا ہے جس کے بعد مسائل سے جان چھوٹ جائے گی۔ اس نے ٹھیک کہا تھا۔

اگلے روز فون آیا — دوسری طرف آنٹی تھیں —
بیٹا! وہ چلی گئی ہے!

مرنے والے کا آخری دیدار کرایا جاتا ہے۔ دوست کا چہرہ نہیں دکھایا گیا۔ آنٹی نے چار مہینے بعد بتایا وہ نہیں چاہتی تھی کہ لوگ اس کی میت دیکھیں۔ بیماری نے چہرے کو متاثر کیا تھا۔ اس کے مسائل اس کے ساتھ سپرد خاک ہوگئے۔ وہ بہت یاد آتی ہے۔ افسوس ہوتا ہے کہ دھیمے مزاج کی معصوم لڑکی فرسودہ رسم و رواج اور احساسِ تنہائی کی نذر ہوگئی۔

لوگ (بشمول بھائی بہن اور قریبی رشتہ دار) بظاہر صحت مند نظر آتے ہیں لیکن ذہن میدانِ جنگ ہوتا ہے۔ غم بانٹتے ہیں نہ جذبات کے اظہار کے لئے کسی پر اعتماد کرتے ہیں۔ نظریں ایسے دوست کی تلاش میں رہتی ہیں جس پر دل کا حال ظاہر کریں۔ مگر المیہ یہ ہے کہ ہر ایک اپنے آپ میں رہتا ہے، کوئی کسی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ کیا ایسا ہونا چاہئے کہ گھر کا فرد دل کی بات کے لئے گھر سے باہر سہارے ڈھونڈے —؟

دنیا بھر میں ڈپریشن میں اضافہ ہوا ہے، مہلک بیماریاں اور خودکشی کے واقعات بڑھ گئے ہیں۔ خودکشی کرنے والے رقعہ چھوڑ جاتے ہیں کہ انہوں نے ذہنی خلفشار سے نجات کے لئے یہ قدم اٹھایا جب کہ قریبی لوگ کہتے ہیں ہمیں خبر نہیں ہوئی کہ وہ پریشان تھا۔

ڈپریشن یاسیت اور افسردگی کا عارضہ ہے جو گہرا ہونے پر کئی امراض کا سبب ہے۔ ذہنی صحت کے حوالے سے WHO (عالمی ادارۂ صحت) کا کہنا ہے،

★ ذہنی ابتری کی عام شکل اور ذہنی امراض کی ابتدا ڈپریشن ہے۔ پوری دنیا میں تقریباً 264 ملین افراد اس کا شکار ہیں۔ ان میں ہر عمر کے افراد شامل ہیں۔ دنیا میں جتنی بیماریاں ہیں، مجموعی سبب ڈپریشن ہے۔

★ ذہنی صحت کا مؤثر علاج موجود ہے مگر کم اور متوسط آمدنی والے ممالک میں بیش تر لوگوں کی اس تک رسائی نہیں۔ وجہ ان ممالک میں وسائل اور تربیت یافتہ عملے کی کمی، ذہنی امراض سے متعلق سماجی رویہ اور درست تشخیص نہ ہونا ہے۔ وہ ممالک جہاں سہولیات اور لوگوں کو علاج تک رسائی میسر ہے، بعض اوقات مرض کی درست تشخیص نہیں ہو پاتی۔

★ عالمی ادارۂ صحت نے 2013ء میں قرارداد منظور کی جس میں ممالک کی سطح پر ذہنی ابتری کے مسئلے سے نمٹنے کے لئے جامع اور مربوط اقدام اٹھانے پر زور دیا گیا۔

★ عالمی ادارۂ صحت کے مطابق دنیا میں جتنے ممالک ہیں ان میں آدھے سے بھی کم ملکوں میں ذہنی صحت کی پالیسیاں اور منصوبے ہیں جو انسانی حقوق کی کنونشن کے مطابق ہیں۔

★ خواتین میں ڈپریشن کی شرح زیادہ ہے۔

★ ڈپریشن فرد کو خودکشی کی طرف لے جاسکتا ہے۔

★ 15 سے 29 سال کے افراد میں موت کی دوسری بڑی وجہ خودکشی ہے۔ تقریباً ہر سال آٹھ لاکھ افراد

خودکشی کرتے ہیں اور ہر 40 (چالیس) سیکنڈ میں ایک فرد خود کو ختم کرتا ہے۔

رشتوں میں دوری، کمیونیکیشن گیپ اور ہم آہنگی نہ ہونے سے بچے کی شخصیت کم زور ہوجاتی ہے۔ جو ماں باپ بچوں کو وقت دیتے اور دوست بن کر رہتے ہیں، ایسے بچے بلا جھجک جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ اس سے ذہنی دباؤ کم ہونے میں فوری مدد ملتی ہے اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اکیلے نہیں، اماں ابا، بہن بھائی اور دادا دادی ان کے ساتھ ہیں۔

مضمون لکھنے کے دوران میں نے مزاح نگاروں کے بارے میں تحقیق کی۔ دنیا بھر سے کئی مزاح نگاروں کے نام سامنے آئے جنہوں نے خودکشی کی تھی۔ وہ ڈپریشن کا شکار تھے، دوسروں کو ہنساتے تھے مگر اپنی زندگی مسکراہٹ سے خالی تھی۔ ایک نے مرنے سے پہلے لکھا،

''کسی کو پتہ نہیں چلے گا میں وجود رکھتا تھا۔ کچھ چھوڑ کر نہیں جارہا۔ کوئی میرے پیچھے غمگین نہیں ہوگا۔''

مزاح نگاروں کی حیات کا مطالعہ کیا، معلوم ہوا یہ لوگ مقبول ہونے کے باوجود ہجوم میں تنہا تھے۔

★ ہم نہیں جانتے دوسرا شخص کیسی زندگی گزار رہا ہے۔

★ ہم نہیں جانتے ہنسنے ہنسانے والا خود کس کشمکش میں ہے۔ مقبول ہونے کے باوجود تنہا کیوں ہے؟

★ احساس نہیں ہوتا کہ ہمارا ایک جملہ کسی کو پریشان کرسکتا ہے، اس حد تک کہ وہ اپنی صلاحیتوں اور اپنے وجود کو بوجھ سمجھنا شروع کردیتا ہے۔

★ نہیں سوچتے کہ زبردستی کے فیصلے نقصان دہ ہیں۔

★ ہم دوسروں کے احساس سے واقف کیوں نہیں؟

کچھ لوگ بآسانی چیزوں کو نظر انداز کردیتے ہیں لیکن بعض زیادہ حساس ہونے کی وجہ سے گھنٹوں سوچتے ہیں۔ ان کی ذہنی حالت سمجھنے کے بجائے ہمارا ردعمل انہیں سوچ کے بھنور میں مزید دھکیل دیتا ہے۔

دنیا آج عدم برداشت اور ذہنی دباؤ کی تصویر ہے۔ فرد پریشانی میں حل تلاش کرنے کے بجائے، ردعمل میں مزید پریشان ہوجاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے ہمارا رویہ کیا ہے ــــ؟ ہم سخت الفاظ سن کر اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہیں۔ سمجھتے نہیں ہیں کہ مقابل پریشان ہے اس لئے سخت بات کہی، لڑنے کو تیار ہے اور ہر وقت مسائل پیدا کرتا رہتا ہے۔

سوچئے اگر اس کی ذہنی حالت درست ہوتی، کیا وہ ہمیں پریشان کرتا ــــ؟ لوگوں کو سمجھنے کے لئے ان کی جگہ خود کو رکھ کر دیکھنے سے زندگی آسان ہوجاتی ہے۔

بزرگ سے پوچھا، دنیا میں ہر طرف افراتفری ہے، رشتوں میں دراڑ ہے، بے حسی بڑھ گئی ہے اور ہر ایک، دوسرے سے ناراض ہے۔ جینا مشکل ہوگیا ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی کیسے رہے ــــ؟

بزرگ نے فرمایا، پاگل تمہیں پتھر مارے، کیا تم جواب میں پتھر مارو گے ــــ؟

عرض کیا، نہیں، بالکل نہیں۔

فرمایا، کیوں نہیں مارو گے ــــ؟

عرض کیا، وہ پاگل ہے، اس کو کیسے ماریں؟

فرمایا، اگر تم نے پتھر مارا تو ــــ؟

عرض کیا، دنیا اس کے ساتھ ہمیں بھی پاگل سمجھے گی۔

فرمایا، دنیا میں رہنے کا یہی طریقہ ہے!

مجھے دوست کی موت کا بہت دکھ تھا۔ موت کی وجوہات میں ایک وجہ یہ تھی کہ کسی نے اس کی رائے کو اہمیت نہیں دی نہ بگڑتی ہوئی صحت دیکھ کر خیال آیا کہ وجہ ہمارا رویہ ہوسکتا ہے۔ جب احساس ہوا، دیر ہو چکی تھی۔

میں نے رویوں کا جائزہ لینا شروع کیا۔

پتہ چلا کہ معاشرے میں کہنے والے بہت اور سننے والے کم ہوگئے ہیں۔ ہر ایک اپنی بات کرتا ہے، کسی کو سننا نہیں چاہتا۔ لوگ بہت ہیں، اپنائیت نہیں ہے۔ خاندانی نظام ٹوٹ گیا ہے۔ معاشی مسائل اور مادی دلچسپیاں اتنی زیادہ ہیں کہ لوگ مشینوں کو وقت دیتے ہیں اور پاس بیٹھے ہوئے شخص سے غافل ہیں۔ نفسیاتی امراض کے ادارے بڑھ گئے ہیں۔ ان میں داخل ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

تحقیق کے لئے ایک ادارے میں گئی۔

وہاں بڑے ہال میں نوجوان مختلف گیمز کھیل رہے تھے۔ ایک ٹیبل پر کیرم بورڈ رکھا ہوا تھا جس کے گرد چار نوجوان بیٹھے تھے۔ ان میں تین یہاں داخل تھے البتہ چوتھا نوجوان نہایت خوش شکل اور نفیس لباس میں تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ تھی اور یکسوئی سے کیرم کھیلنے میں مصروف تھا۔ حیرت ہوئی کہ ذہنی امراض کے مرکز میں اس کا کیا کام ــــ؟ شاید میری طرح یہ بھی ان لوگوں کے ساتھ وقت گزارنے آیا ہے۔

میں قریب موجود خالی نشست پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہال میں موجود ادارے کا ایک رکن قریب آیا اور نوجوان سے کچھ کہا۔ دونوں کے درمیان گفتگو سے معلوم ہوا کہ خوش شکل نوجوان بھی مریضوں میں شامل تھا۔

معمولی یا مہلک امراض کی عدم موجودگی صحت نہیں ہے۔ صحت جسمانی و نفسیاتی اور روحانی آسودگی کا نام ہے۔ ذہنی طور پر صحت مند شخص کے لئے ضروری ہے کہ

۱۔ فرد کو اپنی خوبیوں اور خامیوں کا علم ہو۔ وہ خامی دور کرنے اور خوبی کو اجاگر کرنے کا فہم رکھتا ہو۔

۲۔ روزمرہ مسائل سے نمٹنے کی صلاحیت ہو۔

جب لوگ غصے اور گھبراہٹ کا اظہار کرتے اور چڑچڑے ہوجاتے ہیں تو یہ طرز عمل نشان دہی کرتا ہے کہ انہیں مدد کی ضرورت ہے، ذہن مسئلے میں الجھ گیا ہے اور اظہار میں جھجک ہے۔ ایسے لوگوں کو جھڑکنے کے بجائے نرمی اور ہمدردی سے پیش آئیں۔ سمجھنے کی کوشش کریں کہ کیا بات انہیں پریشان کر رہی ہے۔

جب میں نے کالج اور یونی ورسٹی میں ہم جماعت طالب علموں کو دوست کی وفات کی خبر دی، سب سکتے میں آگئے۔ اگلے روز ایک نے فون کر کے کہا، جب

سے خبر سنی ہے، آنسور کنے کا نام نہیں لیتے۔ اگر مجھے پتہ ہوتا وہ کس تکلیف سے گزر رہی ہے، میں اپنے رویے کی معافی مانگ لیتی۔

ہم چھوٹی چھوٹی باتوں پر تلخ ہوجاتے ہیں۔ جس شخص سے الجھے تھے، اس کے حالات معلوم ہوتے ہیں تو شرمندگی ہوتی ہے کہ کاش یہ نہ کرتے، وہ نہ کہتے۔

متنفر ہونے کی بنیادی وجہ قیاس ہے۔ رشتہ دار یا دوست دو دن فون نہ اٹھائے، ہم سمجھتے ہیں نظر انداز کر رہا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ مصروف ہو، بیمار ہو یا فون گھر پر بھول گیا ہو۔ جیسے ہمارا پڑوسی برہم تھا کہ مالی پانچ دن سے کام پر آیا نہ فون اٹھایا۔ غصے میں ایک بار پھر فون ملایا، دوسری جانب نحیف آواز سن کر غصہ کافور ہوگیا۔ مالی بخار میں پھنک رہا تھا۔ غصے کے بجائے کیا وہ مالی کی غیر موجودگی پر خیریت دریافت کرنے کی نیت سے فون نہیں کرسکتا تھا کہ بھائی! کیا مسئلہ ہوگیا، آپ پانچ دن سے نہیں آئے، خیریت سے تو ہیں؟

ملازمت پر رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے کم تر سمجھیں۔ ایک دوسرے کے حالات، جذبات اور عزتِ نفس کا خیال رکھنا انسانی معاشرے کی قدریں ہیں۔ ہم دوسروں کی زندگی نہیں جیتے لیکن اپنے رویے سے ان کو جینے نہیں دیتے۔

ماہر نفسیات سے پوچھا، نفسیاتی امراض کے علاج میں مریض کو دوائیاں دی جاتی ہیں تاکہ ذہن کم وبیش ست رہے اور اشتعال پیدا نہ ہو۔ کیا یہ مستقل علاج ہے؟

معالج نے کہا، نفسیاتی امراض کا تعلق رویوں سے ہے، رویوں کا مستقل علاج دوائیوں سے کیسے ممکن ہے۔ ہم مریض کی بات سنتے ہیں، رد نہیں کرتے۔ غیر محسوس طریقے سے رویہ تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جس ماحول میں اسے واپس جانا ہے، وہاں وہی رویے اس کے منتظر ہیں جس کی وجہ سے وہ یہاں تک پہنچا۔ مریض کے اعصاب کم زور ہیں، وہ دباؤ پڑتے ہی مشتعل ہوجاتا ہے۔ ذہن ست کرنے کے لئے معالجین دوائی تجویز کرتے ہیں۔ طبیعت نارمل ہونے پر آہستہ آہستہ دوائیاں کم کی جاتی ہیں۔

قارئین! دو باتیں مضبوط شخصیت بناتی ہیں۔

۱۔ ماں باپ بچوں کے دوست بنیں، ان کے ساتھ کھیلیں، دوڑیں، انہیں وقت دیں تاکہ بچے بلا جھجک اور بروقت الجھن بتاسکیں اور انہیں فوری مدد ملے۔

۲۔ ماں باپ کو چاہئے کہ بچوں کو مایوسی سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ سے قریب کریں۔

میری دوست اب اس دنیا میں نہیں لیکن اس مضمون کی ضرورت جن لوگوں کو ہے وہ اس دنیا میں موجود ہیں۔ اپنے بچوں کے دوست بنیں ورنہ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کو اور آپ ان کو کھودیں۔

گلِ نسرین

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

مسافر کچھ دیر کے لئے غیر ارادی طور پر موسم کی سختی سے بے نیاز ہو گیا لیکن ہوا میں نمی کا تناسب زیادہ ہونے کے سبب بے نیازی قائم نہ رہ سکی۔ گرم لہروں کے تھپیڑوں کے درمیان تواتر سے چند ساعتوں کے بعد ٹھنڈی لہر کے جھونکوں نے تحمل کے ساتھ وقت گزارنے کے رمز سے آشنا کیا۔

کوئی چیز خود سے وجود میں نہیں آتی۔ ہر تخلیق اپنے خالق کا تعارف ہے۔ تخلیق کے لئے توانائی چاہئے، توانائی سے مظاہرہ ہوتا ہے، خدوخال بنتے ہیں اور وجود کی حدود طے ہوتی ہیں جس کو شناخت کہتے ہیں۔ توانائی کو قواعد وضوابط میں رکھنے کا ایک نظام ہے اور نظام خود سے نہیں چلتا، ایسی ہستی چلاتی ہے جس نے توانائی تخلیق کی ہے۔

ایک طبقہ کہتا ہے کہ یہ سب نیچر کی کارفرمائی ہے۔ نیچر کو اردو میں فطرت اور فارسی میں طبیعت کہتے ہیں۔ لفظ نیچر یا فطرت میں وہ سارے مظاہر اور ان میں جاری میکانزم شامل ہے جو کائنات میں موجود ہیں۔ مظاہر تخلیقات ہیں۔ لہٰذا نیچر یا فطرت خود تخلیق ہے۔ یہ کسی کو پیدا نہیں کرسکتی نہ ختم کرسکتی ہے۔ فطرت ایک قاعدہ اور ضابطہ ہے جس کے تحت ہر مظہر اپنے مدار میں گردش کرتا ہے اور مقررہ حدود میں موجود رہتا ہے۔

فطرت کے بارے میں ارشاد ہے،

''یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جاسکتی۔ یہی راست اور درست دین ہے۔'' (الروم: ۳۰)

فطرت کے معنی معین مقداریں ہیں۔ انگریزی میں ایک لفظ فریکوئنسی ہے۔ فریکوئنسی طول اور موج کو کہتے ہیں۔ اردو میں اس کے معنی تعدّد کے ہیں اور تعدّد سے مراد مقداریں ہیں۔

توانائی کو مظاہرے کے لئے محرک کی ضرورت ہے۔ محرک ایسا کردار ہے جس سے توانائی میں دباؤ پیدا ہوتا ہے، عام فہم زبان میں اسے قوت یا force کہتے ہیں۔ توانائی کرنٹ یا روشنی کی صورت میں ہوتی ہے، دباؤ سے روشنی (کرنٹ) میں مخفی اسپیس ظاہر ہوتی ہے اور ڈائی مینشن (خدوخال، نقش ونگار) نمایاں ہوتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسپیس ظاہر ہونے کے باوجود نقش و نگار اپنی اصل (توانائی) سے متصل رہتے ہیں کیوں کہ

ان میں حرکت توانائی کی وجہ سے ہے۔

''اس کے علم میں ہے جو زمین میں جاتا ہے اور جو زمین سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔ جو کام تم کرتے ہو اسے دیکھ رہا ہے۔ وہی زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے اور تمام امور اسی کی طرف رجوع کئے جاتے ہیں۔''

(الحدید: ۴۔۵)

حرکت دباؤ کے مطابق ہوتی ہے اس لئے حرکت کو ہم دباؤ کی مقداریں کہہ سکتے ہیں۔ حرکت کو بھی حرکت کی ضرورت ہے جو اس ہستی کے امر سے پیدا ہوتی ہے جس نے یہ نظام تخلیق کیا ہے۔ وہ ہستی اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت ہے۔ اللہ قادر و قدیر ہے، اس کی قدرت ہر تخلیق پر محیط ہے۔ اس تمہید کی ترتیب یہ بنی

قادر و قدیر ہستی —> تحریک —> حرکت —>
توانائی —> دباؤ —> اسپیس کا مظاہرہ —>
نقش و نگار —> جملہ مخلوقات۔

مثال: بجلی بنانے کا ایک ذریعہ ڈیم ہیں۔ ڈیم پر نصب مشینیں، گرڈ اسٹیشن سے لے کر بجلی کی تاروں، کھمبوں اور گھروں میں شیشے کے بلبوں تک توانائی کی ترسیل کے لئے جال بچھا ہوا ہے۔ بجلی بنانے اور فراہم کرنے کے لئے وسائل موجود ہیں۔

★ پانی میں بجلی نہ ہو، کیا بجلی بن سکتی ہے —؟
★ گرڈ اسٹیشن پر بٹن دبانے والا نہ ہو، کیا برقی لہریں تاروں میں منتقل ہوں گی —؟
★ بٹن دبانے کے لئے حرکت نہ ہو پھر —؟
★ حرکت کو تحریک کی ضرورت ہے۔ تحریک کہاں سے پیدا ہوتی ہے اور پیدا کرنے والا کون ہے؟

تحریک جہاں سے پیدا ہوتی ہے — وہی زندگی کا source (منبع) ہے۔ باقی سب مظاہرے کے لئے میڈیم ہیں۔ کیا میڈیم کو با اختیار کہا جا سکتا ہے —؟

با اختیار اور بے اختیاری — زندگی کی دو طرزیں ہیں۔ اختیار تب زیر بحث آتا ہے جب شے خود سے پیدا ہوئی ہو۔ مخلوق اپنی مرضی سے پیدا ہوتی ہے نہ رنگ، نسل اور خاندان کے انتخاب کا اختیار ہے۔ یہاں تک کہ دنیا میں رہنے کی خواہش کے باوجود ایک روز یہاں سے رخصت ہو جاتی ہے۔ جب تخلیق — خالق کے ماتحت ہے تو بے اختیاری — زندگی گزارنے کا قاعدہ اور ضابطہ بن جاتی ہے۔

اختیار اور بے اختیاری میں الجھا ہوا شخص حقیقت کی تلاش میں نکلا۔ کوسوں دور سفر کے بعد آرام کی طلب ہوئی۔ دوپہر کا وقت تھا، شدید گرمی تھی۔ گھنے درخت کی چھاؤں میں آرام کی غرض سے لیٹا۔ نیند آغوش میں لینے کی منتظر تھی۔

وہ کچھ دیر کے لئے غیر ارادی طور پر موسم کی سختی سے بے نیاز ہو گیا لیکن ہوا میں نمی کا تناسب زیادہ ہونے کے سبب بے نیازی قائم نہ رہ سکی۔ گرم لہروں کے

تھپیڑوں کے درمیان تواتر سے چند ساعتوں کے بعد ٹھنڈی لہر کے جھونکوں نے مسافر کو تحمل کے ساتھ وقت گزارنے کے رمز سے آشنا کیا۔ اس طرح ٹھنڈی لہر کے انتظار میں نیند لیتے ہوئے گرم ہواؤں کو برداشت کرنے کی سکت پیدا ہوئی۔ سورج ڈھلنے کا وقت قریب آتے ہی موسم میں قدرے بہتری آئی اور گھونسلوں میں خاموش پرندوں کی چہکار سے فضا میں شور پیدا ہوا۔ شور میں سرور تھا۔ مسافر کی آنکھ کھل گئی۔

تھوڑی دیر بعد گرم ہوا کے تھپیڑے ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں بدل گئے۔ کچھ دیر قبل جو ماحول پُرسکوت تھا، وہاں پرندوں کے ساتھ، پتّوں کی سرسراہٹ اور ہوا کا شور بپا ہوا۔ مسافر نے قدرت کے نظاروں کو ذوق و شوق سے دیکھا اور ان میں کھو کر بھول گیا کہ وہ کہاں بیٹھا ہے۔ کان سائیں سائیں کرتی ہوا پر مرکوز کئے تو چشمِ دل نے دیکھا کہ خلا میں بے شمار دائرے ہیں۔ ہوا تیزی سے گھومتے ہوئے ایک دائرے سے دوسرے دائرے ○○○○○○○○ میں داخل ہو رہی ہے اور فضا ھُو.....وووو کی بازگشت بن گئی ہے۔

ھُو کی گونج سے شاخیں جھوم رہی ہیں، پتّوں میں سرسراہٹ ہے، پرندے نغمہ سرا ہیں، سازِ پُرسوز کی ہر لَے میں قیامت کی دلکشی ہے، الفت کی بجھی ہوئی آگ بھڑک اٹھی ہے۔۔۔ ہر شے پر ھُو کا اثر طاری ہے۔

یہ بازگشت نیند کے دوران بھی جاری تھی لیکن ذہن ہوا میں گرم و سرد کے ردّوبدل پر مرکوز تھا۔ جاگنے کے بعد موسم نے راحت پہنچائی تو توجہ آواز پر مرکوز ہوئی، بند روزن کھلے اور مسافر نے محسوس کیا کہ ہر شے ھُو کی لَے سے ہم آہنگ ہے۔

خیال نے تصدیق کی کہ یہاں قسم قسم کی مخلوقات ہیں مگر کثرت ہوتے ہوئے ان میں تصادم نہیں ہے۔ ہر چند کہ یہ ایک ساز پر جھومتی ہیں لیکن ان کی شناخت برقرار ہے۔ کیا تصادم نہ ہونا قاعدے اور ضابطے کی علامت نہیں ہے۔۔۔؟ کیا تصادم نہ ہونا بے اختیاری کا مظہر نہیں ہے۔۔۔؟ اختیار ہوگا تو ہر فرد اپنی اپنی ڈگر پر چلے گا مگر یہاں تو سب ھُو کی لَے کے تابع ہیں۔

تصادم وہاں ہوتا ہے جہاں مالک دو ہوں۔

ساری کائنات اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی ہے، وہی اس کا مالک ہے، وہی اس کا رازق ہے اور وہی کائنات پر محیط ہے۔ مسافر نے دیکھا کہ ہر مخلوق بے اختیار ہے، کہیں سے حرکت آتی ہے اور سب متحرک ہو جاتے ہیں۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں
ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں
گراں بہا ہے تو حفظِ خودی سے ہے ورنہ
گہر میں آب گہر کے سوا کچھ اور نہیں
رگوں میں گردشِ خوں ہے اگر تو کیا حاصل
حیات سوزِ جگر کے سوا کچھ اور نہیں

کائنات میں ہر شے متعین راستے پر متحرک ہے۔ دن رات میں داخل ہوتا ہے، رات دن بن جاتی ہے۔ گرم لہر — سرد میں داخل ہوتی ہے اور سرد لہر مغلوب ہونے سے گرمی غالب ہوجاتی ہے۔ پلک جھپکتی ہے اور جھپک کر کھل جاتی ہے، بادل گرجتے ہیں، بجلی کڑکتی ہے، بارش برستی ہے اور پھر — سب اگلے سائیکل (دَور) کی تیاری میں لگ جاتے ہیں۔ باوجودیکہ ہر رخ دوسرے سے مختلف ہے، ایک دوسرے کو قبول کرنے کی وجہ ان کا بااختیار ہونا نہیں بلکہ وہ قدر ہے جو ان سب میں مشترک ہے۔ یہ ایک دوسرے کو قبول کرنے کے پابند ہیں۔ یہی مشترک قدر ان کو ایک دوسرے سے قریب و دور رکھتی ہے اور باور کراتی ہے کہ اختیار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا ہے۔

جب قدریں ''معین'' ہیں پھر اختیار کیا ہوا — ؟

اختیار ہے اور وہ بھی اللہ کا دیا ہوا ہے۔ نظام کائنات میں جس مخلوق کو جو ذمہ داری دی گئی ہے، وہ اسے ادا کرنے کی پابند ہے۔ اگر کوئی اسے اپنا اختیار سمجھے تو یہ فکشن پر مبنی صوابدید ہے۔

ہر لمحہ زندگی موت میں داخل ہوتی ہے اور موت زندگی بن جاتی ہے۔ ان میں ردّوبدل سانس پر قائم ہے۔ کیا ہمیں سانس لینے پر اختیار ہے — ؟

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

''آدمی کا سانس لینا اس کے شعور سے الگ ایک چیز ہے۔ وہ سانس لیتا ہے لیکن سانس لینے کی ابتدا اس کے ارادے سے نہیں ہوتی۔ پلک جھپکتا ہے لیکن اس کا تعلق اس کے شعور سے کچھ نہیں۔ اسی طرح خون کا گردش کرنا اور جسم کی اندرونی حرکات ایسے افعال ہیں جو انسان کی اپنی اصل یعنی ورائے شعور سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب انسان اپنی اصل یعنی ورائے شعور سے تنزل کر کے شعور کی دنیا میں قدم رکھتا ہے اس وقت اپنی زندگی کی فعلیتوں سے باخبر ہوتا ہے۔ حالاں کہ تمام ماہیات اور کیفیات ورائے شعور میں واقع ہوئی تھیں۔'' (کتاب: لوح وقلم)

''آدمی کا سانس لینا اس کے شعور سے الگ ایک چیز ہے'' اس ایک جملے میں اختیار اور بے اختیاری کا پورا قانون ہے۔ سانس لینا اختیاری عمل نہیں ہے نہ اس کی ابتدا فرد کی مرضی سے ہوتی ہے۔ پلکیں جھپکنا اور دیگر جسمانی افعال سب ہمارے ادراک سے ماورا عالم میں پیش آتے ہیں، شعور صرف ان افعال کا مظاہرہ ہے۔ آدمی مظاہرے کے وقت یا مظاہرے کے بعد زندگی کی حرکات سے باخبر ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ ریکارڈ شدہ فلم دیکھ رہا ہے۔ فلم میں انہماک کی وجہ سے یاد نہیں رہتا کہ میری حیثیت ناظر کی ہے۔

قارئین! عاشق رسولؐ — حضرت علامہ اقبالؒ کے اشعار کے معانی اور مفہوم لکھیں۔ (ادارہ)

شازیہ رشید

قرار ـــــ بے قراری

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا، کسی بندے کی مجال نہیں کہ وہ اللہ کی خلاف ورزی کرے۔ اگر تو واقعی اللہ کا عاشق ہے تو عاشق محبوب کے حکم کی خلاف ورزی کیسے کرسکتا ہے ـــ؟

حضرت جنید بغدادیؒ کا نام دادا ''جنید قواریری'' کے نام پر رکھا گیا۔ آباؤاجداد ''نہاوند'' سے ''بغداد'' میں آباد ہوئے۔ والد شیشے کے تاجر تھے، شمار بغداد کے امرا میں تھا۔ تجارت میں سنت رسولؐ کی پابندی کرتے تھے۔ والد نے پانچ سال کی عمر سے بیٹے کو دکان پر ساتھ بٹھانا شروع کیا۔ بچہ لین دین کے معاملات غور سے دیکھتا۔ اس کی ذہانت لوگوں سے چھپی ہوئی نہیں تھی مگر کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آئینے کی دکان پر بیٹھے ہوئے بچے کا دل آئینے سے زیادہ صاف ہے اور یہ آئندہ زندگی میں سینکڑوں دلوں کو صیقل کرے گا۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا خاندان علوم وفنون میں ممتاز تھا۔ حضرت سری سقطیؒ آپ کے ماموں ہیں۔ بھانجے کو دیکھ کر بہن اور بہنوئی سے فرماتے تھے،

''اللہ اپنی قدرتِ بے مثال کو جس طرح چاہتا ہے، ظاہر فرماتا ہے۔ یہ بچہ وہی بنے گا جو مجھے نظر آرہا ہے، انشاءاللہ!''

ایک روز بہن بہنوئی سے اجازت لی کہ وہ بھانجے کو کچھ عرصہ اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ والدین غرض و غایت سے واقف تھے، اجازت دے دی۔ حضرت سری سقطیؒ نے جنید بغدادیؒ کی روحانی تربیت فرمائی۔ والد کی وفات کے بعد کفالت کی ذمہ داری ماموں نے اٹھائی اس طرح وہ مستقل ماموں کے زیر تربیت آگئے۔

حضرت جنید بغدادیؒ اکثر اوقات طویل خاموشی اختیار کرلیتے۔ حضرت سری سقطیؒ کیفیت سے باخبر تھے، کچھ وقت کے لئے تنہا چھوڑ دیتے۔

تقریباً آٹھ برس کی عمر میں ماموں کے ساتھ حج پر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک علمی مجلس میں شرکت کی۔ شکر کے موضوع پر گفتگو جاری تھی۔ حضرت سری سقطیؒ نے بھانجے سے فرمایا، بیٹا! تم بھی خیال ظاہر کرو۔ مجلس میں موجود لوگوں کی توجہ بچے کی جانب مبذول ہوگئی،

''شکر کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کو کوئی نعمت عطا کرے تو وہ اسے خوش ہوکر استعمال کرے اور نعمت کے شکرانے میں اپنے مالک کی

نافرمانی نہ کرے۔''

حاضرین نے داد و تحسین پیش کی۔

قارئین! لیاقت و ذہانت ہر بچے کے اندر ہے۔ بچے کو جو ماحول دیا جاتا ہے، بچہ اس کی تصویر ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

ایک روز ماموں نے پوچھا، بیٹا! ماشاء اللہ تم ذہین ہو۔ تمہارے اندر لیاقت کہاں سے آئی؟

سعادت مندی سے جواب دیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی تربیت اور محبت کے فیض سے مجھ پر کرم فرمایا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے دیگر اساتذہ کرام سے بھی تعلیم حاصل کی۔ ان میں شیخ ابوثورؒ، شیخ ابو عبداللہ محاسیؒ، شیخ ابوحفص حدادؒ جیسے اساتذہ شامل ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے پیرو مرشد حضرت سری سقطیؒ کے حکم پر تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع کیا۔ تعلیم کا بنیادی موضوع ''تصوف'' تھا۔ فرماتے ہیں:

''تصوف روح میں بالیدگی پیدا کرنے اور مخلوق کو خالق سے قریب کرنے کا علم ہے۔ تصوف کے راستے کا مسافر باطنی کیفیات اور مشاہدات سے اللہ کو دیکھ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس سے کلام کرتے ہیں۔''

ظاہر اور باطن، علم کے دو پہلو ہیں۔ ظاہری علوم کے لئے کاغذ، قلم یا دیگر وسائل کی ضرورت ہے جب کہ باطنی علم روحانی استاد سے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا ہے۔

علم شریعت سے بندہ حقیقت کو پاتا ہے اور طریقت سے حقیقت کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ہی تعلیم کے دو پہلو ہیں۔

''برے اخلاق سے علیحدہ رہنا اور اچھے اخلاق اختیار کرنا تصوف ہے۔ تصوف کا علم کتاب و سنت سے باہر نہیں۔ جس نے قرآن مجید نہیں پڑھا اور نہیں سمجھا، وہ تصوف پر بات کرنے کا اہل نہیں۔''

تربیت کے ابتدائی زمانے میں حضرت جنید بغدادیؒ سے ایک سائل نے کچھ مانگا۔ انہیں خیال آیا کہ یہ شخص محنت مزدوری کرسکتا ہے، اس کا سوال کرنا (مانگنا) جائز نہیں۔ بعد میں خیال کا اظہار کسی اور سے بھی کیا۔

خواب میں دیکھا — دسترخوان پر وہی سائل مردہ حالت میں ہے۔ کوئی حکم دے رہا ہے کہ اسے کھاؤ۔

کہا، میں نہیں کھا سکتا۔

آواز آئی، اس وقت کیوں کھایا تھا—؟

آنکھ کھل گئی۔ سمجھ گئے کہ میں نے غیبت کی تھی لہٰذا خامی کی نشان دہی کرکے تربیت کی گئی ہے۔

اللہ کے دوست باخبر ہوتے ہیں مگر راز — راز رکھتے ہیں۔ عیب جوئی ناپسند ہے اور عقیدت مندوں کو بھی یہی تلقین فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادیؒ کے جوتے چوری ہوگئے۔ آپ بازار سے گزر رہے تھے، کسی شخص کو اپنے جوتے فروخت کرتے دیکھا۔ قریب گئے۔ گاہک کہہ رہا تھا، کیا شناخت ہے کہ یہ تمہارے

ہیں—؟ ثابت کر دیا تو خرید لوں گا۔

اس سے پہلے کہ جس نے چوری کی تھی وہ کچھ کہتا، حضرت جنیدؒ نے فرمایا، یہ اسی کے ہیں۔ میں اس کے حال سے واقف ہوں۔ گاہک نے خرید لئے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران معمول تھا کہ رات گہری ہو جاتی تو میں طواف کرتا۔ ایک روز کوئی خاتون طواف کرتے ہوئے اشعار پڑھ رہی تھیں،

''میں نے عشق کو بہت چھپایا مگر وہ نہیں چھپ سکا۔ اب تو کھلے عام میرے پاس ڈیرا ڈال دیا ہے۔ جب شوق بڑھتا ہے تو اس کے ذکر سے دل بے چین ہو جاتا ہے۔ میں محبوب سے قریب ہونا چاہتی ہوں، وہ مجھ سے قریب ہو جاتا ہے۔ جب وہ ظاہر ہوتا ہے، میں اس میں فنا ہو جاتی ہوں پھر اسی کے لئے دوبارہ زندہ ہوتی ہوں۔ میں قرب میں مست و بے خود ہوں۔''

میں نے پوچھا، بابرکت جگہ پر اشعار—؟

خاتون متوجہ ہوئیں اور بولیں: جنید! اللہ کے عشق میں ہوں۔ اس کی محبت نے مجھے حیران کر رکھا ہے۔ بتاؤ! تم اللہ کا طواف کرتے ہو یا بیت اللہ کا؟

جواب دیا، بیت اللہ کا طواف کرتا ہوں۔

خاتون نے آسمان کی طرف چہرہ کر کے کہا،

''سبحان اللہ! آپ کی بھی کیا شان ہے پتھر کی مانند بے شعور مخلوق پتھروں کا طواف کرتی ہے اور شعور والے، گھر والے کا طواف کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ عشق و محبت میں سچے ہوتے تو ان کی اپنی صفات غائب ہو جاتیں۔''

حضرت جنید بغدادیؒ پر وجد طاری ہوا۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔ ہوش آیا، خاتون وہاں نہیں تھیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دو چیزیں چاہتا ہے۔ ایک یہ کہ بندے عبودیت کو جانیں۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو پہچانیں۔''

عبدیت کی تعریف یہ ہے:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

حقیقی طرز فکر یہ ہے اللہ کے سوا کسی سے توقع نہ رکھی جائے۔ ایسا شخص ناامید نہیں ہوتا۔

حضرت جنید بغدادیؒ مسجد سے نکلے۔

بوڑھا شخص سامنے آیا۔

آپ نے پوچھا، کون ہو؟

جواب دیا، ابلیس۔

غور سے دیکھا اور فرمایا: اے ابلیس! تجھے آدم کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا تھا؟

ابلیس نے سرد آہ بھری اور بولا، اللہ ایک ہے۔ میں نے گوارا نہیں کیا کہ ایک اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ

کروں۔ میں مخلوقات میں سب سے بڑا موحد ہوں۔

پوچھا، یہ بتا کہ تو کس کا بندہ ہے؟

ابلیس بولا، اللہ کا بندہ ہوں۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا، کسی بندے کی مجال نہیں کہ وہ اللہ کی خلاف ورزی کرے۔ اگر تو واقعی اللہ کا عاشق ہے تو عاشق محبوب کے حکم کی خلاف ورزی کیسے کرسکتا ہے ــــ؟

ابلیس نے دردناک چیخ ماری۔ اے جنید! تم نے مجھے جلا ڈالا۔ یہ کہہ کر غائب ہوگیا۔

حضرت جنید بغدادیؒ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ تہجد کے وقت نا قابل بیان اضطراب طاری ہوا۔ ذکر میں مشغول ہوگیا۔ بے قراری ــــ برقرار رہی۔ کچھ دیر کمرے میں ٹہلا لیکن کیفیت جوں کی توں رہی۔ سبب سمجھ میں نہیں آیا۔ آخر گھر سے کھلی فضا میں آیا۔

تھوڑی دور گیا تھا کہ چونے میں ملبوس، چادر اوڑھے ایک شخص کو دیکھا۔ حیرانی ہوئی کہ کون ہوسکتا ہے۔

قریب پہنچا تو اس نے کہا، آنے میں دیر کردی۔

میں نے پوچھا، آپ کون ہیں؟ ہمارے درمیان ایسا کوئی وعدہ نہیں جس کا میں پابند ہوں۔

وہ بولا، سچ کہتے ہو۔ مگر میں نے خداوند ذوالجلال سے، جو دلوں کو حرکت دیتا ہے اور دل کی آواز سنتا ہے، دعا کی تھی کہ آپ کے دل کو حرکت دے اور میری جانب بھیج دے۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا، بے شک اللہ نے میرے دل کو آپ کی طرف مائل کیا اور میں یہاں حاضر ہوں۔

وہ بولا، ایک جواب چاہتا ہوں۔ سوال نے کئی دنوں سے پریشان کیا ہوا ہے۔ بتایئے کہ نفس کا مرض کب نفس کی دوا بنتا ہے؟

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا، جب آدمی نفسا نفسی سے نکلتا ہے تو نفس کا مرض، نفس کا علاج بن جاتا ہے۔

جواب سن کر اس نے اپنے نفس کو مخاطب کیا، میں نے تجھے سات مرتبہ یہی جواب دیا مگر تو نہیں مانا اور یہی کہتا رہا کہ جب تک جنیدؒ کی زبانی نہ سن لوں، تعمیل نہیں کروں گا۔ اب سن لیا ــــ؟

یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور میں وہیں کھڑا سوچتا رہ گیا کہ یہ کون ہے، کہاں سے آیا تھا اور کہاں گیا؟

تیسری صدی ہجری کے بغداد میں حضرت جنید بغدادیؒ کے عقیدت مندوں کا دائرہ پھیل رہا تھا۔ کچھ لوگ عدم تحفظ کا شکار ہوئے اور خلیفۂ بغداد سے بات کی۔ خلیفہ بھی خوف زدہ تھا لیکن براہِ راست نقصان پہنچا کر عوام کی مخالفت مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ چناں چہ ایک ترکیب کے تحت کنیزوں میں سب سے زیادہ حسین اور پڑھی لکھی کنیز کا انتخاب کیا۔

بتایا گیا کہ خلیفۂ بغداد کی کنیز حاضر ہونا چاہتی ہے۔ حاضر ہونے کی اجازت دی۔

کنیز سامنے آئی اور سوچ میں مشغول پایا۔

توجہ نہ پا کر متوجہ کیا، اے خوبرو نوجوان! بڑی دیر سے کھڑی آپ کو دیکھ رہی ہوں۔ میری طرف بھی نگاہ کریں کہ مجھے بھی اللہ نے بنایا ہے۔

جنید بغدادیؒ نے نظر انداز* کرتے ہوئے فرمایا، بے شک! کائنات کی ہر چیز میں میرے اللہ کا جمال اور اس کی رحمت ہے اور میں سب کو اِسی نظر سے دیکھتا ہوں۔ تم جس چیز کی طالب ہو وہ یہاں نہیں۔ یہاں اللہ کے ذکر اور اس کی یاد کے سوا کچھ نہیں ہے۔

کنیز بولی، یہاں اللہ کے ذکر کے سوا کچھ نہیں ہے تو ٹھیک ہے پھر میں اللہ سے آپ کو مانگتی ہوں۔ اللہ کی بارگاہ سے آج تک کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا، سچ کہتی ہو لیکن اس وقت تمہارے لئے بہتر ہے خالی ہاتھ لوٹ جاؤ۔

کنیز نے کچھ کہنا چاہا لیکن آپ نے روک دیا۔

کیا مجھے بے خبر سمجھتی ہو ــــ؟ بے شک اللہ رگِ جاں سے زیادہ قریب ہے۔ میں اللہ کے حکم سے خلیفہ کی گفتگو سن چکا ہوں۔ تمہارا خلیفہ میرا سر کاٹنا چاہتا ہے لیکن جان لو کہ میں اللہ کی حفاظت میں ہوں۔ یہ کہہ کر جوں ہی لڑکی کی طرف نظر کی، وہ تاب نہ لا سکی۔

خلیفہ تک خبر پہنچی، ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔

جنید! تم نے اپنی ریاضت کے ذریعے میری خوب صورت کنیز کو مار ڈالا۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا، میں نے نہیں مارا۔ وہ چاہتی تھی میں اس کی طرف دیکھوں۔ میرے دل میں تو اللہ کی یاد بسی ہے۔ میں نے اسے دیکھا، وہ تاب نہ لا سکی۔ اللہ کی رضا اسی میں تھی۔ جسے وہ بچانا چاہتا ہے، بچا لیتا ہے اور جو اللہ کے عتاب میں آئے، بھلا اسے کون بچا سکتا ہے!

خلیفہ بولا، یہ کیوں بھول گئے کہ اللہ غفور الرحیم ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا، بے شک! بے شک وہ غفور الرحیم ہے۔ یہ اس کا رحم ہے کہ تم بدنیتی کے باوجود سلامت ہو۔ بہتر ہے کہ اپنے ظلمت کدے میں لوٹ جاؤ جو ابھی تک راکھ ہونے سے بچا ہوا ہے!

خلیفہ یہ سنتے ہی لرز گیا۔

مشہور واقعہ ہے حضرت جنید بغدادیؒ کے ایک مرید نے شیطان کے اثر کو قبول کیا اور ہپناٹائز ہو گیا۔ مرید کا کہنا تھا کہ روز رات کو زرافہ گھر آتا ہے کہ میں فرشتہ ہوں، تجھے جنت میں لے جانے آیا ہوں۔ جنت میں لے جا کر طرح طرح کے میوہ جات کھلاتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ سے کیفیت بخوشی بیان کی۔

فرمایا، آج جب وہ ''فرشتہ'' آئے تو فلاں آیت پڑھنا اور یہ عمل ''جنت'' میں پہنچنے کے بعد کرنا۔

مرید جب ''جنت'' میں پہنچا اور آیت پڑھی تو نظر پر سے شیطان کا اثر ختم ہوا اور اس نے دیکھا ــــ میں

---

* نظر انداز کے معنی دیکھ کر بھی نہ دیکھنا ہے۔

گدھے پر سوار ہوں اور جسے جنت سمجھ رہا ہوں، وہ جنت نہیں بلکہ کوڑے کا ڈھیر ہے۔

واقعے میں سبق ہے کہ فکشن یعنی وہ نظر جو وسوسے، شک اور تغیر کے زیر اثر ہے، آدمی کو نہ صرف فریب دیتی ہے بلکہ دکھاتی بھی ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ اپنے پیر بھائی شیخ خیر نساج کے گھر گئے۔ شیخ نساج مصروف تھے۔ خیال آیا کہ جنید بغدادیؒ دروازے پر ہیں مگر وہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ دوبارہ محسوس ہوا۔ پھر وہم سمجھا۔ تیسری بار خیال آنے پر دروازے پر گئے، جنید بغدادیؒ وہاں موجود تھے۔ خیر نساج سے پوچھا، پہلے خیال پر کیوں نہیں آئے ــــ؟

خیر نساج سوچ میں گم ہو گئے۔

ایک شاگرد سے بہت محبت تھی۔ دوسرے شاگردوں کے دل میں حسد پیدا ہوا۔ پیر و مرشد نے یہ بات محسوس کی اور فرمایا ــــ میرے دل میں جس کا جو مقام ہے وہ اس کی فراست کے سبب ہے لہٰذا اس بات کو محسوس نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن شاگرد حسد میں الجھے رہے۔

جس سے محبت زیادہ تھی اور جن کو شکایت تھی، حضرت جنیدؒ نے انہیں مرغ اور چھری دی کہ ایسی جگہ جا کر ذبح کرو جہاں کوئی نہ ہو۔ کچھ دیر بعد تمام شاگرد ذبح شدہ مرغ لے کر حاضر ہوئے لیکن جس شاگرد سے زیادہ محبت تھی، وہ شام کو زندہ مرغ سمیت واپس آیا۔

عرض کیا، ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی نہ ہو۔ میں جہاں گیا، اللہ کو حاضر اور ناظر محسوس کیا۔

واقعے سے دو طرز فکر واضح ہوتی ہیں۔

ایک مرید کے دل میں ہمہ وقت اللہ کا احساس تھا۔

دیگر مرید اپنے آپ میں مگن تھے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا وصال 27 رجب 297 ہجری کو ہوا۔ تدفین بغداد میں ہوئی۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے اقوال زریں

★ رب ذوالجلال علیم ہے۔ کوئی علم اس کا احاطہ یا اندازہ نہیں کر سکتا۔

★ مراقبے کا مقصد اللہ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

★ جو شخص بغیر کسی مقتدا کے راہِ حقیقت میں قدم رکھتا ہے، وہ خود بھی گم راہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گم راہ کرتا ہے۔

★ موٹے کپڑے پہننا، جو کی روٹی کھانا، آرام دہ گھروں سے منہ موڑ کر جنگلوں کی راہ لینا اور بیابانوں کو مسکن بنا لینا ترکِ دنیا نہیں ہے۔ ترکِ دنیا یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر لذیذ غذا کھاؤ لیکن ذائقے میں کھو نہ جاؤ بلکہ اللہ کی صناعی تلاش کرو۔ مخمل بھی پہنو تو اس کی قیمت خود سے زیادہ مت لگاؤ۔ بھرے بازار میں ایسے سفر کرو کہ سنسان و بیابان ریگستان سے گزر رہے ہو کیوں کہ جو آج ہے وہ کل نہیں ہے۔

سید اسد علی

سات پردے

ایک مقام پر تکان دور کرنے اور پانی پینے کے لئے رکے، اس دوران آئینہ نکالا اور چہرہ دیکھا، وہ بول پڑا— تم نے روئی بیوہ عورت سے انتہائی کم داموں میں خرید کر مجبوری کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے، یتیم بچوں کا حق مارا ہے۔ یاد رکھو! یہ پیٹ میں انگارے بھرنے والا عمل ہے۔

دولت کا ذخیرہ لیکن سکون نہ ہو تو وقت پریشانی میں گزرتا ہے۔ یہی حال ملک پریشان کے لوگوں کا تھا۔ وسائل کی فراوانی کے باوجود معاشرہ سکون و اطمینان سے خالی تھا۔ وہاں کے ذہین افراد اندر کا سکون باہر تلاش کرتے اور کچھ نہ ملنے پر دعویٰ تھا کہ بہت کچھ پالیا ہے۔ قول و فعل کا تضاد عادت بن گئی تھی۔

یہاں ایک سوداگر تھا جس کی دولت کی پورے ملک میں دھوم تھی۔ ملاوٹ اور غلط بیانی اس کا کاروبار تھا۔ حویلی میں 32 سے زیادہ کمرے، ہر کمرے میں نرم و ملائم قالین اور کھڑکی دروازے ریشمی پردوں سے سجے ہوئے تھے۔ حویلی سہولیات سے آراستہ تھی۔ دیواروں اور ستونوں پر خوب صورت نقش و نگار تھے۔ 32 کمروں کی حویلی میں ایک بڑا باغ، باغ میں چھوٹا تالاب اور جگہ جگہ فوارے تھے۔ خدمت گاروں نے حویلی کو چمکا کر شیشہ بنا دیا تھا۔

سوداگر کی ماں چاہتی تھی کہ بیٹا شادی کرلے، گھر کے آنگن میں بچے کھیلیں اور اسے دادی بننے کی خوشیاں ملیں۔ ماں کی خواہش پوری نہ ہوسکی۔ موت نے مہلت نہ دی۔ سوداگر کا ماں کے علاوہ کوئی رشتہ دار نہیں تھا، وہ بھری دنیا میں تنہا رہ گیا۔ افسوس ہوتا کہ کاش ماں کی خواہش پوری کی ہوتی۔ رفتہ رفتہ تنہائی کا احساس بڑھ گیا۔ وہ روزانہ دعا مانگتا، یا اللہ! بے غرض اور بے لوث رفیق سے نواز، جو دکھ درد میں شریک ہو، اچھا مشورہ دے اور مشکل حالات میں راہ نمائی کرے۔

اللہ نے دعا قبول کی۔

ایک فقیر نعرۂ مستانہ بلند کرتا ہوا دروازے پر آیا۔

''جو دے اس کا بھلا، جو نہ دے اس کا بھی بھلا۔''

فقیر کی آنکھوں میں غضب کی چمک تھی۔

سوداگر بولا، تم کیسے فقیر ہو جو لوگوں سے مانگتے ہو؟

فقیر نے فرمایا، کس نے کہا میں تم سے مانگنے آیا ہوں؟ میں بھیجا گیا ہوں یہ بتانے کے لئے کہ اللہ نے تمہاری دعا قبول کرلی ہے۔ یہ لو رب رحیم کا انعام۔ اور ہاں!

تمہیں صرف اچھے ساتھی کی نہیں، اچھے اخلاق کی بھی ضرورت ہے۔

سوداگر تھوڑی دیر کے لئے شرمندہ ہوا۔ توجہ فقیر کے ہاتھ میں صندوقچی کی طرف گئی جس میں سات تالے لگے ہوئے تھے۔ چابیوں کا گچھا ساتھ تھا۔ فقیر صندوقچی دروازے پر رکھ کر چلا گیا۔

اچھا ساتھی، صندوقچی میں—؟ سوداگر تیزی سے کمرے میں آیا اور تالے کھولنے کی کوشش کی۔ معلوم نہیں تھا کہ کون سی چابی کس تالے کی ہے۔ جب تالے کھل گئے تو دھڑکتے دل کے ساتھ صندوقچی کھولی، اندر کپڑے کے نیچے خوب صورت قیمتی آئینہ تھا۔

یہ کیا—؟ اس میں آئینے کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ میرا ساتھی کیسے ہوسکتا ہے—؟ سوداگر نے تحفہ سمجھ کر آئینہ خواب گاہ میں لگا دیا۔

دن کاروباری معاملات میں گزر گیا۔ شام کو کمرے میں داخل ہوا اور دیوار کی طرف نظر گئی تو سوچا کہ آئینہ بہترین رفیق اور مخلص دوست ہوسکتا ہے۔

رات میں سونے سے پہلے بالوں میں کنگھی کر رہا تھا کہ آواز آئی، تمہارا کیا نام ہے؟

یہاں وہاں دیکھا، کوئی نہیں تھا۔ آئینہ تو نہیں بول رہا—؟ سوداگر کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

میرا نام زاہد ہے۔ میں سوداگر ہوں۔

آئینے نے پوچھا، کیا تم زاہد ہو؟

ہاں! میرا نام زاہد ہے۔

آئینہ ہنس دیا۔ یہ نام کس نے رکھا؟

میرے ماں باپ نے۔

انہوں نے تمہارا نام کب رکھا؟

ظاہر ہے، میری پیدائش کے وقت۔

آئینہ بولا، یہ نام نوزائیدہ اور خوب صورت بچے کا رکھا گیا تھا جو منافقت اور بے ایمانی سے پاک تھا۔ تم اب چھ فٹ کے آدمی ہو اور معصومیت سے دور ہو۔ کیا تم اب بھی زاہد ہو—؟

سوداگر عالمانہ گفتگو کے لئے تیار نہیں تھا۔ سوچ میں پڑ گیا۔ البتہ خوشی تھی کہ باتیں کرنے کے لئے رفیق مل گیا ہے۔ رات بات چیت میں گزر گئی۔ چڑیوں کی چہچہاہٹ نے بتایا کہ صبح ہوگئی ہے۔

دفتر جانے سے پہلے تھوڑی دیر سو گیا۔ نیند سے جاگا تو آئینے کی باتیں ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔ اس دن وہ دفتر کے بجائے دوستوں کے پاس گیا اور انہیں نادر و نایاب آئینے کے متعلق بتایا۔ دوست تصدیق کے لئے گھر آئے اور سب نے یکے بعد دیگرے آئینے کو اپنے کارنامے سنائے کہ کس طرح وہ راتوں رات امیر بن گئے۔ پھر آئینے کی ذہانت جانچنے کے لئے پوچھا، بتاؤ ہم میں سب سے زیادہ ذہین اور عقل مند کون ہے؟

آئینہ بولا، میرے نزدیک تم سب برابر ہو۔ راتوں رات امیر بن جانے کا تعلق ذہانت سے ہے لیکن امیر ہونا ذہانت اور عقل مندی کا معیار نہیں۔

دوستوں کو یہ بات پسند نہیں آئی۔

آئینے پر ناپسندیدگی کا عکس واضح ہوا تو وہ بولا، یہ ذہانت جانوروں کے پاس بھی ہے۔کبھی ان کی دنیا دیکھی ہے—؟

انہوں نے کہا،تم ہمیں جانوروں سے ملا رہے ہو؟

میں نہیں ملا رہا،تم آئینے میں دیکھ رہے ہو۔ جانور بھی خوب صورت اور سہولیات سے آراستہ گھر بناتے ہیں، بچے پیدا کرتے ہیں، ان کی پرورش کرتے ہیں، اپنی اور نوع کی حفاظت کا انتظام کرتے ہیں اور یہ سارے کام تم بھی کرتے ہو۔تم فیکٹریاں لگاتے ہو، شہد کی مکھی کے اندر شہد بنانے کی فیکٹری ہے۔بیا کا گھر ہوا کے جھکڑ اور آندھیوں کو برداشت کر لیتا ہے۔ پرندے قطب نما کے بغیر ہزاروں کوس (میلوں) فاصلہ طے کر لیتے ہیں۔تم ذہین ہو اور جانور بھی ذہین ہیں۔عقل ان کے پاس ہے اور تمہارے پاس بھی۔تم دوستوں میں سب سے زیادہ ذہین جو بھی ہو، ایسی ذہانت تمہیں جانوروں سے ممتاز نہیں کرتی۔

دوست منہ بنا کر رہ گئے۔

آئینے کی شہرت رفتہ رفتہ دور دور تک پھیل گئی۔ سوداگر جس محفل میں جاتا لوگ آئینے کے بارے میں سوال کرتے۔ بظاہر وہ فخر سے آئینے کی باتیں بتاتا لیکن اصل بات یہ تھی کہ وہ پریشان ہو گیا تھا۔سوچتا تھا کہ آئینہ سچ بولتا ہے، باتیں تیز دھار آلہ ہیں جو سینہ چھلنی کر دیتی ہیں۔غلط بیانی، ملاوٹ اور منافقت پردے میں نہیں رہتی، سارے راز افشا ہو جاتے ہیں۔کئی دفعہ ندامت کی وجہ سے رات کو نیند نہیں آئی۔

اب سوداگر نے لوگوں کو گھر بلا کر آئینہ دکھانے میں احتیاط کی کہ کہیں باطن ظاہر نہ ہو جائے۔

ایک دن آئینے نے پوچھا، تمہارے پاس ہیرے جواہرات ذخیرہ ہیں، کیا مرنے کے بعد کی زندگی کے لئے کچھ جمع کیا ہے—؟

سوداگر کو ناگوار گزرا کہ آئینہ اب اس کے کاروبار کا دشمن ہو گیا ہے اور موت کی باتیں کر رہا ہے۔محنت سے کمائی ہوئی عزت خاک میں مل جائے گی ۔وہ جان چھڑانے کے طریقے سوچنے لگا۔

اگلے روز نوکرانی کی گٹھڑی میں آئینہ چھپا دیا کہ وہ گھر جا کر گٹھڑی کھولے گی اور مہنگا آئینہ دیکھ کر اچھی قیمت پر بیچ دے گی۔اگلی صبح آئینہ گھر میں موجود تھا۔

ہوا یہ کہ نوکرانی سوداگر کے پڑوس میں کام کے لئے گئی۔وہاں اپنی گٹھڑی میں آئینہ دیکھ کر حیران ہوئی۔ پڑوسی نے آئینہ دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ سوداگر کا ہے۔باز پرس شروع کی، وہ تسلی بخش جواب نہ دے سکی تو کام سے نکال دیا اور دوسرے ملازم کو آئینہ دے کر تاکید کی کہ بحفاظت سوداگر کے گھر پہنچا دے۔

سوداگر آئینہ دیکھ کر پیچ و تاب کھانے لگا۔

آواز آئی، میں تمہیں ایسے کاروبار سے آگاہ کرتا ہوں

جس میں صرف نفع ہے۔

سوداگر کاٹ دار لہجے میں بولا، تم خیر خواہ نہیں، میرے دشمن ہو۔ غصے میں آئینہ اٹھا کر حویلی کی دوسری منزل پر گیا اور پوری قوت سے دور پھینک دیا۔

آئینہ کہاں گرا، سوداگر غصے میں تھا، دیکھنا گوارا نہیں کیا۔ دو دن اطمینان سے گزرے۔

تیسرے دن آئینہ خواب گاہ میں تھا۔

ہوا یہ کہ سوداگر کے گھر کے قریب تجارتی قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ یہ روئی کے تاجر تھے۔ آئینہ روئی کی بوریوں پر گرا اور ٹوٹنے سے محفوظ رہا۔ روشنی ہوتے ہی قافلے والوں نے سامانِ تجارت اٹھایا، آئینہ پڑا ہوا ملا جس کی شہرت سے وہ بے خبر تھے۔ بناوٹ بتا رہی تھی بہت قیمتی ہے۔ سامان میں رکھ لیا کہ روئی کے ساتھ اچھے داموں فروخت کریں گے۔

تاجروں نے دوبارہ سفر شروع کیا۔ آئینہ قافلے کے سربراہ کے بیگ میں تھا۔ ایک مقام پر تکان دور کرنے اور پانی پینے کے لئے رکے، اس دوران آئینہ نکالا اور چہرہ دیکھا، وہ بول پڑا— تم نے روئی بیوہ عورت سے انتہائی کم داموں میں خرید کر مجبوری کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے، یتیم بچوں کا حق مارا ہے۔ یاد رکھو! یہ پیٹ میں انگارے بھرنے والا عمل ہے۔

عیاں ہونے پر تاجر گھبرا گئے۔ کون بول رہا ہے—؟

آئینہ بولا، تمہارے اندر کا چور!

تاجروں کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ قافلہ سرحد کے قریب تھا۔ آئینہ کسی راہ گیر کے حوالے کرتے ہوئے کہا، زمین پر پڑا ہوا ملا تھا، نہیں معلوم کس کا ہے۔

راہ گیر ایمان دار آدمی تھا۔ وہ سوداگر کے گھر آئینہ دیکھ چکا تھا۔ امانت مالک تک پہنچا دی۔

آئینہ سردرد بن گیا۔ پیچھا کیسے چھڑایا جائے؟

مشورے کے لئے دوست کے پاس پہنچا جو بھٹی کا مالک تھا اور لوہا پگھلا کر برتن بناتا تھا۔ سوداگر نے دکھ بھری داستان سنائی۔ دوست نے کہا، فکر مت کرو، اس کو ایسا مزہ چکھائیں گے کہ یاد رکھے گا۔ ابھی بھٹی ٹھنڈی ہے، صبح پہلی فرصت میں کام تمام ہو جائے گا۔

سوداگر خوشی خوشی گھر آیا اور سو گیا۔ صبح ملازم نے جگایا کہ شاہی قاصد آیا ہے۔ وہ ننگے پیر دروازے کی طرف دوڑا۔ شاہی قاصد نے کہا، بادشاہ سلامت نے حکم دیا ہے کہ آئینہ لے کر فوراً پہنچو، ایک مقدمے میں عینی شاہد نہیں ہے، آئینے کی گواہی درکار ہے۔

سوداگر کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ اسی حالت میں دوست کے گھر کی طرف دوڑ لگائی۔ جتنی دعائیں یاد تھیں، پڑھتا گیا۔ اللہ کرے آئینہ محفوظ ہو ورنہ میں بے موت مارا جاؤں گا۔ وہاں پہنچا تو بھٹی سلگ رہی تھی اور دوست آئینہ آگ کی نذر کرنے والا تھا کہ اس نے جھپٹ کر آئینہ ہاتھ سے چھین لیا۔

دوست نے حیرت سے پوچھا، کل تک اس سے بیزار تھے، آج کیا ہوا—؟

سوداگر نے شاہی قاصد کا پیغام دیا، دوست سہم گیا۔

دونوں آئینہ لے کر شاہی دربار پہنچے۔

بادشاہ نے کہا، اے سچ بولنے والے آئینے! ہمارے قریبی وزیر کے رشتہ دار کا قتل ہو گیا ہے، کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ بتاؤ کس نے قتل کیا ہے؟

آئینے نے بے باکی سے کہا، بادشاہ سلامت! قتل آپ کی مرضی سے ہوا ہے کیوں کہ ایک بار وہ آپ کی دل آزاری کا سبب بنا تھا۔ دربار میں سناٹا چھا گیا۔

بادشاہ چیخا، بے ادب! گستاخ! ہم تجھے دربار میں جگہ دینا چاہتے تھے لیکن تو اس قابل نہیں۔ تیری سزا ہے کہ ٹکڑے کر کے تجھے دیوار میں چن دیا جائے تا کہ تو ہمارے ساتھ رہے لیکن زبان درازی نہ کر سکے۔

آئینہ دیوار میں چن دیا گیا۔ آگے یکے بعد دیگرے سات دیواریں کھڑی کی گئیں۔ آئینہ خاموش نہیں ہوا البتہ سات دیواریں، سات پردے بن گئے۔

یہ صدیوں پرانا قصہ ہے، ہر زمانے میں اور ہر فرد کے ساتھ دہرایا جاتا ہے۔ آئینہ آج بھی موجود لیکن پردے کے پیچھے ہے۔ جو شخص اس سے راہ نمائی چاہتا ہے، رکاوٹیں عبور کر کے پہنچ جاتا ہے جب کہ بہانے تراشنے والے کہتے ہیں کہ دیواروں سے گزرنا جان جوکھوں کا کام ہے۔

دیوار مٹی کے ذرّات سے بنتی ہے، جسم بھی ان ذرّات سے بنا ہے اور دیوار کی مانند ہے۔ آئینہ جسمانی دیوار کے پس پردہ ہے۔ یہ غرض اور لالچ سے بے نیاز سچائی کی تلقین کرتا ہے اور دین و دنیا میں کام یابی کے گُر بتاتا ہے۔ زمین پر آدمی کا منصب سونے چاندی کے ڈھیر لگانا نہیں بلکہ اللہ نے جو کچھ عطا کیا ہے، اسے خوشی کے ساتھ اپنی اور لوگوں کی خیر خواہی کے لئے خرچ کرنا ہے۔ دنیا میں آنے کا مقصد لازوال ہستی کا عرفان ہے جو تمام عالمین کا مالک اور رب کائنات ہے۔

آئینے کی آواز ہر لحہ گونجتی ہے مگر آدمی مصلحتوں میں الجھا ہوا ہے اور عارضی آرام کے لئے مستقل خوشی کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک سچائی سے صرفِ نظر کیا جائے گا، سکون میسر نہیں ہوگا۔

ایسے لوگ موجود ہیں جو آئینے میں دیکھ کر اپنی اصلاح کرتے ہیں اور ابدی سکون سے آشنا ہو جاتے ہیں۔

قارئین! کہانی دوبارہ پڑھیں اور بتائیں کہ آئینہ کون ہے۔ ذہن میں جو فلم بنے، لکھ کر بھیج دیں۔ انشاء اللہ قابلِ اشاعت تحریر شائع کی جائے گی۔ (ادارہ)

سوچئے اور بتایئے

ایک دوست نے دوسرے سے کہا، میں اپنے بچوں کو ہر وہ چیز دینا چاہتا ہوں جو مجھے نہیں ملی۔

دوسرے دوست نے تصحیح کی، اولاد کو ہر وہ چیز دینے کے بجائے جو تمہیں نہیں ملی، وہ چیزیں سکھاؤ جو تمہیں نہیں سکھائی گئیں یا تم نے نہیں سیکھیں۔ مادی چیزیں بوسیدہ ہو جاتی ہیں مگر علم پرانا نہیں ہوتا، تہ در تہ کھلتا رہتا ہے۔

ندا حامد

آزاد لمس

جب میں تصور سے ظاہر میں آئی تو قدموں تلے مٹی کا سمندر اور جسم پر مٹی کا لباس تھا۔ یکا یک ذہن سن اور زبان گنگ ہوگئی ــــ وہ بشر کون تھا؟

کتنے قدم مٹی پر چلتے چلتے نقشِ قدم بن گئے تھے میں بے خبر تھی۔ جیسے کوئی فرد اسٹیج پر کردار ادا کر کے گزر جاتا ہے اور پیچھے نہیں دیکھتا کیوں کہ آگے دوسرا اسٹیج اس کا منتظر ہے لیکن پیچھے رہ جانے والے اسٹیج پر اس کے اثرات باقی رہتے ہیں۔

مٹی پر چلتے چلتے میں آگے بڑھی اور منظر تبدیل ہوا تو دیکھا کہ میں بھی ایک کردار ہوں جسے کسی نے لکھا ہے۔ میرا کردار کیوں لکھا گیا ہے اور میں اسے ادا کرنے سے پہلے کس طرح واقف ہوسکتی ہوں؟ اداکاری کے لئے ہر شخص کو پہلے اسکرپٹ دیا جاتا ہے۔ میرا اسکرپٹ کہاں ہے؟ میں خود کو پابند کیوں محسوس کرتی ہوں اور آزاد ہونے کی جستجو کیا ہے ــــ؟

مٹی سے مٹی میں ہر قدم قید ہے۔ قدم فضا میں اٹھتا ہے تو کچھ لمحوں کے لئے آزادی محسوس ہوتی ہے لیکن مٹی کی کشش آزاد دنیا کا لمس دے کر پھر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ یہ کیسی قید ہے جو ایک طرف زندان سے نکلنے کا راستہ دکھاتی ہے اور دوسری طرف سارے راستے مسدود کر دیتی ہے! ابدالِ حق فرماتے ہیں،

مٹی سے نکلتے ہیں پرندے اڑ کر
دنیا کی فضا دیکھتے ہیں مڑ مڑ کر
مٹی کی کشش سے اب کہاں جائیں گے
مٹی نے انہیں دیکھ لیا ہے مڑ کر

''تمام جان دار مٹی سے بنے ہوئے ہیں۔ مٹی سے مراد روشنیوں کا وہ خلط ملط ہے جس میں تمام رنگ موجود ہیں۔ اسے کل رنگ روشنی بھی کہا جاتا ہے۔ یہی رنگ درخت کی جڑیں زمین سے حاصل کرتی ہیں۔ اور یہی رنگ تنا، شاخوں، پتّوں، پھول اور پھل میں نمایاں ہوجاتے ہیں لیکن تخلیق کی یہ طرز دیرپا نہیں ہے۔ جلد ہی یہ تخلیق پھر مٹی بن جاتی ہے۔ پرندے بھی اسی مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ قوت پرواز حاصل ہوجانے کے بعد بھی مٹی سے رستگاری حاصل نہیں کر سکتے کیوں کہ وہ مٹی کے دائرہ کار (gravity) سے باہر نہیں جاسکتے۔ جلد ہی یہ کشش انہیں پھر مٹی میں مل کر مٹی بن جانے پر مجبور کر دیتی ہے۔''

(کتاب: تذکرہ قلندر بابا اولیاؒ)

چہل قدمی کرتے ہوئے میں پتھر پر بیٹھ گئی۔ دل میں کیا سمائی کہ گہرا سانس لے کر کچھ دیر اندر روکا، احساس چند ساعتوں کے لئے مٹی کی دنیا سے بے خبر ہوگیا۔ ذہن کی اسکرین خالی ہوئی اور خلا میں اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ اگلا سانس لیا مگر کیفیت پہلے جیسی نہیں تھی کیوں کہ توجہ پیروں کے نیچے مٹی پر مرکوز ہوگئی تھی۔ آخر مٹی میں کیسی کشش ہے کہ جہاں جاتی ہوں، مٹی کھینچ کر اپنی طرف لے آتی ہے—؟

سانس گہرائی میں لینے اور آنکھیں بند ہونے سے دل پر بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔ ہر وقت آنکھیں بند نہیں رکھی جاسکتیں لیکن گہرائی میں سانس لیا جاسکتا ہے۔ گہرے سانس لینے پر توانائی کا احساس ہوا۔ کیا میں اس توانائی کو استعمال کرسکتی ہوں؟ اگر مجھے توانائی میں تصرف کرنا آجائے تو میں مٹی کے شکنجے سے نکل سکتی ہوں۔

ہوا نے سرگوشی کی، مٹی تمہارا لباس ہے اور توانائی تمہارے اندر ہے، پھر کشمکش کس بات کی؟ گرا دو دیوار اور نکل آؤ مٹی کی حد بندی سے!

ہوا سے کہا، میری آنکھوں کے سامنے مٹی کا سمندر ہے اور تم فضا میں پھیلی ہوئی ہو۔ کبھی تمہاری گردش تیز ہوتی ہے اور کبھی ہلکی ہوجاتی ہے مگر مٹی تمہارے تیز چلنے سے فضا میں نہیں اڑتی؟ تم مٹی کے ذرّات منتشر کیوں نہیں کرتیں—؟

ہوا بولی، میں حکم خداوندی کے دائرے میں ہوں۔

میں نے پوچھا، کیا مٹی کی دبیز چادر کے نیچے کوئی دنیا ہے جسے تم چھپانا چاہتی ہو—؟

سوال سن کر ہوا خاموش ہوگئی جیسے غائب ہوگئی ہو۔

میں ایک بار پھر سوچ میں گم تھی کہ یہ کیسی دنیا ہے جس کا ہر منظر نرالا اور ہر ایک، دوسرے کا رازداں ہے۔

ہاتھی کا بچہ ہاتھی ہوتا ہے۔ فیل بان جب ہاتھی پالتا ہے تو تربیت بچپن سے شروع کرتا ہے اور گلے میں زنجیر ڈال کر درخت یا مضبوط شے سے باندھ دیتا ہے۔ چھوٹا ہاتھی زنجیر قبول کرکے سمجھتا ہے کہ توڑنا ممکن نہیں۔

فیل بان یہی چاہتا ہے۔

وقت گزرتا ہے اور ہاتھی جوان ہوجاتا ہے۔

زنجیر کی کڑیاں تین چار ٹن وزنی ہاتھی کے آگے کچھ نہیں لیکن— وہ بچپن کی سوچ میں قید ہے۔

قارئین! آپ اس بات سے کیا سمجھے؟

ہم محدود طرز فکر کے قیدی ہیں۔ بچپن سے ذہن میں بٹھا دیا گیا ہے کہ مٹی کی دنیا، ہماری دنیا ہے اور مٹی کا جسم ہم ہیں جب کہ ہم نہیں ہیں۔

مٹی میں انہماک ہمیں زمین کی قید سے نکلنے نہیں دیتا، انہماک ٹوٹنے سے مٹی کا بت ٹوٹ جاتا ہے۔

نیک صفت بادشاہ رعایا کا بہت خیال رکھتا تھا۔ رعایا میں بشر نامی نوجوان سے انسیت زیادہ تھی۔ دربار میں ایک نادان ''ش'' تعلقِ خاطر برداشت نہ کرسکا،

دل میں کینہ پیدا ہوا۔ وہ بشر کو بادشاہ سے دور کرنے کے منصوبے بناتا رہتا۔

نادان نے بشر کے امور کا بغور جائزہ لیا اور نتیجے پر پہنچا کہ بشر کا خیال بادشاہ سے نہیں ہٹتا، دن رات اسی خیال میں مشغول رہتا ہے۔ یکسوئی میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی اور بشر سے کہا کہ بادشاہ سلامت تمہیں خود سے قریب رکھ کر محض مملکت کے ایک حصے تک محدود کرنا چاہتے ہیں۔

بشر نے پہلے پہل ان باتوں پر توجہ نہیں دی۔ پھر ایک روز نادان کی باتوں پر غور کیا تو ذہن بادشاہ سے ہٹ گیا اور دل میں وسوسوں نے گھر کر لیا۔ نادان کی باتیں درست لگنے لگیں۔

نادان کی باتوں میں آنے سے بشر پر اس کا رنگ آ گیا اور نادانی میں یہ نہیں سوچا کہ مملکت کا بادشاہ مجھ سے محبت کرتا ہے پھر میں ایک حصے تک محدود کیسے ہوا؟ وہ جہاں ہے، مجھے یاد کرتا ہے اور میں اسے یاد کرتا ہوں۔ کیا یہ عمل محدودیت ہے—؟

بادشاہ کی یاد میں بشر قریب یا دور جانے کا ارادہ کرتا تو زمین اس کے لئے لپٹ جاتی تھی۔ اسپیس سمٹنے سے وہ جہاں چاہتا، پہنچ جاتا۔ جب سوچ کی مرکزیت بادشاہ نہیں رہی تو بشر کے اندر دوری غالب ہوگئی اور زمین نے تابع داری سے انکار کر دیا۔

اب کہیں جانے کا ارادہ کرنے سے زمین قدم کھینچ لیتی تھی۔ وہ پریشان ہوا کہ یہ کیا ہوگیا۔ یکا یک بشر کے سامنے آئینہ آیا اور پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ وہ بدل گیا تھا۔ جسم پر سے شاہی لباس اتر چکا تھا۔ گھبراہٹ میں بادشاہ کو پکارا مگر آواز حلق میں رہ گئی۔

نادان کے قہقہے کانوں میں گونجے اور بشر نے سر پکڑ لیا— وہ بھی نادانوں میں شامل ہوگیا تھا۔

روتے روتے ہلکان ہوا اور گریہ وزاری کرتے ہوئے بے سروسامانی کی حالت میں مملکت سے نکل آیا۔ بڑی جگہ سے چھوٹی جگہ آنے پر گھٹن محسوس ہوئی۔ بلک بلک کر روتے ہوئے بادشاہ کو پکارا۔ پیروں کے نیچے مٹی تھی، جسم بھی مٹی کا ہوگیا۔

بادشاہ نرم دل تھا۔ اس نے بشر کو تکلیف میں دیکھ کر خادموں سے کہا، جا کر کہہ دو تکلیف کا انتخاب تم نے خود کیا ہے۔ اگر غلطی کا ازالہ کر دو تو مملکت کے دروازے تمہارے لئے کھلے ہیں۔

جب میں تصور سے ظاہر میں آئی تو قدموں تلے مٹی کا سمندر اور جسم پر مٹی کا لباس تھا۔ یکا یک ذہن سن اور زبان گنگ ہوگئی— وہ بشر کون تھا؟

اپنی کیفیات پر توجہ کی اور خود کو رنگا رنگ عجائبات میں الجھا ہوا پایا۔ اس بشر کی طرح میرا خیال بھی تقسیم ہے اور سب کچھ ٹکڑوں میں نظر آتا ہے۔ جس ہستی نے مجھے بنایا ہے وہ کائنات کی خالق و مالک ہے، میں اسے یاد کیوں نہیں کرتی —؟ میں نے خود کو مٹی سمجھ کر خود ساختہ قید اختیار کر لی ہے۔ ہاتھ، آنکھیں، کان، پیر اور

تمام اعضا نے مجھے ٹائم اور اسپیس میں قید کر دیا ہے۔

کیا بشر کی طرح میں بھی آزاد تھی مگر نافرمانی کی وجہ سے یہاں پر ہوں—؟

گھٹن محسوس ہوئی اور میں نے رونا شروع کر دیا۔

بشر کی کہانی پھر آنکھوں کے سامنے روشن ہوگئی۔

بشر قید میں آیا اور شک کا بیج درخت بن گیا، شاخیں شاخ در شاخ پھیلتی گئیں اور یہ سلسلہ نسل در نسل منتقل ہوتا رہا۔ بشر نے غلطی کا احساس ہوتے ہی گریہ وزاری شروع کی اور معافی مانگی۔ توبہ قبول ہوئی۔

بشر کی اولاد معافی مانگنا بھول گئی۔ ان میں نافرمانی سے شک پیدا ہوا، شک خوف کا سبب بنا، خوف سے بے چینی بڑھی، بے چینی نے غصے کو جنم دیا، غصہ نفرت میں تبدیل ہوا، نفرت ناانصافی بن گئی اور ناانصافی نے اندھا، گونگا اور بہرا کر دیا۔ بشر اولاد کی نافرمانی پر افسردہ تھا اور دشمن نادان ''ش'' چیلوں میں اضافے پر خوشی سے سرشار قہقہے لگا رہا تھا۔

منظر اوجھل ہوا۔ میں نے ایک بار پھر خود کو دیکھا۔ نظر سب سے پہلے لباس پر گئی۔ جب مٹی کا لباس بچے کے جسم پر ہوتا ہے تو خوش بو آتی ہے، بچہ بڑا ہوتا ہے اور خوش بو کی جگہ بدبو لے لیتی ہے جسے دور کرنے کے لئے عطر اور دیگر خوش بویات استعمال کی جاتی ہیں۔

بڑے بزرگ کہتے ہیں کہ بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ فطرت غالب ہونے سے اس میں سے خوش بو آتی ہے اور مٹی کی بدبو مغلوب رہتی ہے۔ بچہ خوش بو سے دور ہو جائے تو مٹی کی بدبو غالب ہو جاتی ہے۔

یہ ان لوگوں کا حال ہے جو مٹی کو اپنی اصل سمجھتے ہیں۔ میں بھی ان میں شامل ہوں۔

میں نے آنکھیں بند کیں اور رب سے فریاد کی کہ

''مجھے مٹی کی قید سے آزاد کر دے۔''

آنکھیں اشک بار، دل سوز و گداز سے بھرا ہوا اور چہرہ ندامت کی تصویر تھا۔ دل کا غبار کم ہونے سے خود کو ہلکا محسوس کیا جیسے مٹی دھول بن کر اڑ گئی ہے۔ ذہن سوال پر مرکوز ہو گیا کہ مٹی سے خوش بو کیسے آئے—؟

ہوا نے سرگوشی کی،

''اللہ کے ذکر سے ہی قلوب اطمینان پاتے ہیں۔''

(الرعد: ۲۸)

دلِ بے قرار کو اطمینان چاہئے۔ زندہ اور قائم رکھنے والی یا حی یا قیوم ہستی کا ذکر زبان پر جاری ہو گیا۔ وقت کا احساس نہ رہا اور محسوس ہوا کہ میں کسی کے حصار میں ہوں— آس پاس کوئی نظر نہیں آیا۔

دل میں دیکھا تو آواز آئی،

''ہم تمہارے دل میں ہیں۔ دل کو انتشار سے آزاد کرو۔''

راستہ مل گیا تھا کہ یا حی یا قیوم ہستی کے ذکر سے مٹی کی کشش مغلوب ہوتی ہے۔ میں فرائض و حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئی۔

نیّر اعظم

مچھلیاں درختوں پر

آرچر مچھلی آدمیوں سے زیادہ سمجھ دار نکلی۔ شکار کو پکڑنے کے لئے تیر مارتی ہے مگر یہ تیر لکڑی اور لوہے کا نہیں ہوتا — پانی سے بنتا ہے۔

بحر و بر میں آدمی کی شماریات سے زیادہ مخلوقات اور وسائل ہیں جن کے ذریعے تفکر سے علم اور علم سے تصرف تک ہر طرح سے عالمین کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو رزق کا ذریعہ بنایا ہے۔ عموماً خشک مقام کو زمین سمجھا جاتا ہے جب کہ سمندر بھی زمین ہے۔ سمندری زمین پر بسنے والی مخلوق میں ایک مچھلی ہے جو دنیا بھر میں شوق سے کھائی جاتی ہے۔ لوگ اسے بھونتے ہیں، ابالتے ہیں، شوربے میں ڈالتے ہیں۔ مچھلی کی بریانی اور قورمہ بھی بنایا جاتا ہے۔

مچھلی بعض علاقوں میں غذا کا لازمی جزو ہے۔ آدم زاد کے علاوہ باز، ریچھ اور طویل مسافت طے کرنے والے کئی پرندے بصد شوق اسے کھاتے ہیں۔ خود مچھلی بھی مچھلی کا شکار کرتی ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ مچھلی اور بعض آبی مخلوقات خشکی کے جانوروں کا محض شکار نہیں، شکاری بھی ہیں —؟ ساحل کے قریب جانور، اڑتے پرندے اور درختوں پر کیڑے مکوڑے شکاری مچھلی سے محفوظ نہیں۔ امریکی ریاست فلوریڈا کے ساحلوں پر تفریح کے لئے آنے والے لوگوں کے پیروں کی انگلیوں کا، شارک کی غذا بننے کے متعدد واقعات سامنے آچکے ہیں۔

یہ مضمون ان مچھلیوں اور آبی مخلوقات کے بارے میں ہے جو سمندر سے باہر جان داروں یا اڑتے پرندوں کا شکار کرتی ہیں۔ جہاں تک مچھلیوں کی بات ہے، ابھی تک محققین چند کے بارے میں معلوم کر سکے ہیں جو اس صلاحیت کی حامل ہیں۔ ہوسکتا ہے تعداد زیادہ ہو کیوں کہ دریافت کا انحصار تحقیق میں وسعت پر ہے۔ جیسے محققین کو کافی عرصے بعد ''ٹریویلی مچھلی'' کے بارے میں علم ہوا جب وہ اس گاؤں میں پہنچے جہاں لوگ اس کا شکار بنے تھے۔ علاقے کے لوگ مچھلی سے واقف تھے، محققین کو خبر نہیں تھی۔ اندازہ ہوتا ہے کہ ضروری نہیں ہر راز، راز ہو — وہ راز جس مقام پر ہے، وہاں پر رہنے والی مخلوق کے لئے وہ راز نہیں، علم ہے۔

ذکر نُقرئی رنگ (چاندی کا رنگ) کی حامل مچھلی

''سلوراروانا'' سے شروع کرتے ہیں۔

یہ دنیا کی چند مہنگی ترین مچھلیوں میں سے ایک ہے۔ چھلانگ لگانے کی ماہر سلوراروانا کیڑے مکوڑوں، ہوا میں اڑتے پرندوں اور پانی کے قریب درختوں پر لٹکے ہوئے سانپوں کا شکار کرتی ہے۔ قد زیادہ سے زیادہ چار فٹ ہے۔ اپنے قد سے اونچی چھلانگ لگاتی ہے، تیزی سے حملہ کر کے شکار کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیتی۔ ان کو بڑے ایکوریم (مچھلی گھر) میں رکھا جاسکتا ہے اور یہ خطرہ صرف اس کام میں ماہر افراد مول سکتے ہیں۔ وجہ ان کی پھرتی اور پانی کے مقابلے میں خشکی کے جاندار زیادہ شوق سے کھانا ہے۔

دیوزادٹریولی فش: اس سے چھوٹی مچھلیاں خوف زدہ رہتی ہیں اور آمد کی بو پاتے ہی پناہ گاہوں میں چھپ جاتی ہیں۔ لیکن سطحِ آب سے اوپر پرندے کیا کریں، بعض اوقات انہیں پتہ نہیں چلتا کہ کوئی مچھلی ان کی تاک میں ہے اور تیزی سے قریب آرہی ہے۔ اس مچھلی کا قد پانچ فٹ سات انچ اور اوسط وزن 80 کلو ہے۔

آبی سطح پر بیٹھے ہوئے اور پانی سے لطف لینے والے پرندوں کے شکار ہونے پر تعجب نہیں مگر سطحِ آب سے مخصوص فاصلے پر اڑنے والے پرندوں کا شکار ہونا دلچسپ ہے۔ ٹریولی مچھلی پانی سے باہر چھلانگ لگا کر پرندوں کو ایک جست میں نگل لیتی ہے۔

اورکا کلر وہیل: اسے نہنگ قاتل بھی کہا جاتا ہے۔ وہیل کے محققین نے یہ منظر کئی بار دیکھا ہے کہ چھوٹی وہیل کے ساتھ بڑی وہیل تیزی سے جزیروں پر موجود جانور دبوچ کر گہرے پانی میں لے جاتی ہے۔

برسوں سے آبی دنیا کی تحقیق میں مصروف ٹیموں اور کیمروں کی مدد سے معلوم ہوا کہ جب بڑی اور چھوٹی قاتل وہیل ساتھ ہوں اور ان کا رخ ساحل کی طرف ہو تو سمجھ جائیں کہ ماں بچے کو پانی سے باہر شکار کرنا سکھا رہی ہے۔ بڑی قاتل وہیل ایک سے زیادہ شکار کرنے کے بعد بچے سے کہتی ہے کہ اگلا شکار وہ کرے۔

قاتل وہیل کے تیرنے کی رفتار فی گھنٹا پچپن میل ہے۔ اگر اس رفتار سے وہ خشکی پر شکار کرے تو اتنی دور جاسکتی ہے کہ واپس نہ آسکے۔ یہی وجہ ہے کہ اماں وہیل بے بی وہیل کو رفتار، سمت اور خشکی سے واپس آنے کے طریقوں کی تربیت دیتی ہے۔

ایک بار محققین نے دیکھا کہ بے بی کلر وہیل ناتجربہ کاری کے باعث سمندر میں جزیرہ نما پہاڑ پر پھنس گئی۔ زور زور سے مدد کے لئے پکارا، آس پاس موجود ماں اور دیگر رشتہ دار تیزی سے قریب آئے۔ زیادہ دور نہ جانے کی وجہ سے وہ خوش قسمتی سے بچ گئی ورنہ ——!

قاتل وہیل کے شکار کا ایک طریقہ کسی اور آبی مخلوق میں نظر نہیں آیا —— سمندر میں لہریں بنانا۔ جب پانی کی بلیاں (seal) جزیرے پر چڑھ جائیں اور وہیل وہاں تک نہ جاسکے تو مدد کے لئے متعدد وہیل ایک ساتھ

جزیرے کی سمت میں حرکت کرتی ہیں جس سے پانی میں بڑی بڑی لہریں بنتی ہیں۔ پانی جزیرے پر چڑھتا ہے اور آبی بلیوں کو ساتھ لے کر آتا ہے جہاں قاتل وہیل ان کی منتظر ہوتی ہیں۔

ایل کیٹ فش: شاید آپ کو یہ جان کر حیرت ہو کہ مچھلی بھوزرے کھانے کی شوقین ہے۔ شکار کے لئے بھوزرے کی طرف بڑھتی ہے اور پانی میں ڈبو کر کھاتی ہے۔ مہارت کی وجہ سے ناکامی کا سامنا کم ہوتا ہے۔ جسمانی ساخت ایل مچھلی سے ملنے کی وجہ سے ماہرین نے اس کا نام ایل کیٹ فش رکھا ہے۔

مڈاسکپر: ایک نام گِل ماہی ہے۔ گِل — مٹی کو کہتے ہیں۔ اگر کوئی مچھلی پروں کو پیروں کی طرح استعمال کرکے خشکی پر مٹرگشت کرتی نظر آئے تو یہ گِل ماہی ہے۔ ایل کے خاندان سے تعلق رکھنے والی اس مچھلی کے اندر قدرت نے خشکی اور پانی میں یکساں زندگی گزارنے کی صلاحیت رکھی ہے۔ خشکی پر خشکی کی مخلوق اور پانی میں آبی مخلوقات اس کی خوراک بنتی ہیں۔

قوسِ قزح سلمون مچھلی: خوب صورت رنگوں سے مزین یہ مچھلی ماہر شکاریوں میں شمار ہوتی ہے۔ محققین ششدر رہ گئے جب ایک قوس قزح سلمون کو پکڑنے کے بعد اس میں سے 20 چھچھوندر (Shrew) نکلے۔ Shrew خشکی کا جانور ہے، یہ پانی میں نہیں جاتا۔

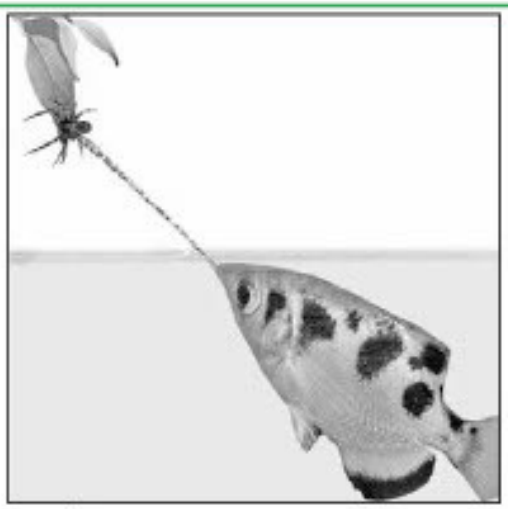

اس کے علاوہ چوہے اور دوسرے جانور بھی اس قبیل کی مچھلیوں (قوسِ قزح سلمون) کے پیٹ سے نکلے ہیں۔ محققین ابھی تک اس کے شکار کے طریقوں سے ناواقف ہیں۔ اندازہ ہے کہ شکار بننے والے جانور پانی میں گر کر شکار بنے یا اتنے قریب آئے کہ قوسِ قزح سلمون نے پانی سے نکل کر شکار کرلیا۔

آرچر فش: تیراندازی کے لئے آدم زاد نے پہلے لکڑی اور بعد میں لوہے کے تیر بنائے جنہیں پھینکنے کے لئے کمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ آرچر مچھلی آدمیوں سے زیادہ سمجھدار نکلی۔ شکار کو پکڑنے کے لئے تیر مارتی ہے مگر یہ تیر لکڑی اور لوہے کا نہیں ہوتا— پانی سے بنتا ہے۔ جی ہاں! پانی کو تیر کی طرح استعمال کرتی ہے۔

آرچر مچھلی قریب موجود درختوں پر کیڑے مکوڑے شکار کرنے میں ماہر تصور کی جاتی ہے۔ تیر شکار کے جسم میں داخل نہیں ہوتا، توازن کو متاثر کرتا ہے۔ نتیجے میں کیڑے کی گرفت کم زور ہوتی ہے اور وہ درخت سے

گر کر آرچر کا نوالہ بن جاتا ہے۔

کیلی فش: ساحل پر تیز ہوا چہرے سے ٹکراتی ہے تو ہوا میں ریت کے ذرّات شامل ہوتے ہیں۔ زیادہ احساس منہ دھونے پر ہوتا ہے۔ ساحل پر چہرے سے ٹکرانے والی چیزوں پر دھیان ضرور رکھیں۔ ہوسکتا ہے ان میں کیلی نامی مچھلی بھی ہو۔ یہ زیادہ سے زیادہ دو انچ طویل ہے اور عمر کا دورانیہ ایک سال ہے۔

کون کہتا ہے مچھلی درخت پر نہیں چڑھ سکتی — ؟

کیلی فش کی دم میزائل کی طرح اوپر اٹھتی ہے اور اچھلنے میں مدد دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض محققین کو کیلی فش درختوں پر بھی ملی ہے۔ یہ جلد کے ذریعے سانس لیتی ہے۔ اس کی جلد میں ایسی خصوصیات ہیں کہ یہ ایک ہفتے تک خشکی پر زندہ رہ سکتی ہے۔ تیرنے کے علاوہ رینگتی ہے اور کیڑے مکوڑے کھاتی ہے۔

یورپی ویلز کیٹ فش: یورپ سے ماہی گیروں کے ذریعے پوری دنیا میں پھیلنے والی میٹھے پانی کی یہ مچھلی کبوتروں کے شکار کی ماہر ہے۔ کبوتر کی جسامت کا کوئی اور جانور ساحل کے قریب ہو، اسے بھی شوق سے کھاتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ قد 15 فٹ ہے۔ اس قد کی مچھلیاں وزنی ہونے کی وجہ سے عموماً ساحل پر شکار نہیں کرتیں کیوں کہ کم پانی میں ان کے لئے تیرنا مشکل ہے۔ البتہ ان میں درمیانی سائز کی مچھلیاں ساحل پر بیٹھے ہوئے یا پانی کے قریب اڑتے کبوتر کھا لیتی ہیں۔

شارک کے ذکر کے بغیر مضمون ادھورا ہے۔

شارک کی پسندیدہ خوراک آبی بلی ہے جو پانی اور خشکی دونوں جگہ پر رہتی ہے۔ شارک کی ایک قسم ٹائیگر شارک آبی بلیوں کے علاوہ پرندے کھانے کی شوقین ہے۔ گلف آف میکسیکو میں رہنے والی ٹائیگر شارک کے بارے میں دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی پرندہ پانی میں گرا، اگلے لمحے ان کا لقمہ بن گیا۔ یہ پانی سے اوپر فضا میں مخصوص فاصلے تک پرندوں کا شکار کر سکتی ہیں۔

زمین کی طرح سمندر کی دنیا بہت دلچسپ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ہر صلاحیت علم ہے اور کسی نہ کسی ایجاد کا سبب بنتی ہے۔ آرچر مچھلی کی مثال سامنے ہے۔ پانی سے تیر بنانا، پانی میں کسی حد تک تصرف کی صلاحیت ہے۔ کیا آدمی ایسے تیر بنا سکتا ہے — ؟ اگر وہ پانی کا علم حاصل کر لے تو بنا سکتا ہے۔ پھر وہ آدمی نہیں، انسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کائنات بہت وسیع ہے۔ جب آبی مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے متنوع صلاحیتوں سے نوازا ہے تو سوچیں کہ نوع آدم جس کا اصل منصب زمین پر نیابت کا ہے، وہ کن خصوصیات کی حامل ہے — ؟

بزرگوں کا کہنا ہے کہ آدمی میں 11 ہزار صلاحیتوں کا ذخیرہ ہے۔ اپنے اندر غور کریں۔

سرورق کی تشریح

سرورق پر نظر ٹھہری ــــ شعور نے انسان کو آدمی سے الگ دیکھا جیسے لباس اتار کر ایک طرف رکھ دیا گیا ہے۔ آدمی پر توجہ مرکوز کی ــــ حرکت محسوس ہوئی۔ قانون واضح ہوا کہ آدمی توجہ کی وجہ سے حرکت میں ہے۔ توجہ ہٹ جائے، آدمی بے حرکت ہے۔ آگہی احساس کے درجے میں داخل ہوئی کہ اللہ ہر لمحہ ہماری طرف متوجہ ہے اور اللہ کی توجہ کے سبب ہم حرکت میں ہیں۔ بندہ حرکت کے قانون سے واقف ہوجائے تو اللہ کے حکم سے مخلوقات میں تصرف کرسکتا ہے۔ مثال انبیائے کرام کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات ہیں۔

لباس میں مٹی کے مختلف رنگ ہیں۔ مٹی کہاں سے لی گئی، وہ کہاں بنا اور پیدا کہاں ہوا ــــ آدمی کو نہیں معلوم!

غذا کا سورس زمین ہے۔ ہوا ذرّات کو ایک خطے سے دوسرے خطے میں لے جاتی ہے۔ یہ غذا کی نقل وحمل کا نظام ہے۔ بارش برسنے سے ذرّات پھل پھول کر مخلوقات کی غذا بنتے ہیں۔ غذا سے خون اور خون سے بچے کا جسم تخلیق ہوتا ہے۔ دیکھا جائے تو ایک فرد کے جسم میں تقریباً ہر خطے کی مٹی شامل ہے۔ یہ دوسرا تاثر ہے جو ذہن پر وارد ہوا۔

سرورق پر مٹی کے رنگوں کو دیکھ کر پہلا تاثر سڑاند کا پیدا ہوا۔ کمہار چکنی مٹی سے برتن اور مجسمے بناتا ہے۔ چکنائی میں ذرّات مرکب رکھنے کی صفت ہے اور چکنائی سڑاند ہے۔ حرکت کی موجودگی اور غیر موجودگی، دونوں صورتوں میں جسم (آدمی) ڈیڈ باڈی ہے۔ یہ آدمی کا مختصر تذکرہ ہے۔

سرورق پر جتنی تحریک دکھائی گئی ہے وہ انسان کے اندر ہے۔ اخفیٰ، خفی، روح، سر، قلب اور نفس ــــ علم کے چھ مراتب ہیں جن میں انسان بیک وقت سفر کرتا ہے البتہ واقف فہم کے مطابق ہوتا ہے۔ تصوف میں ان مراتب کو لطائف (unit) کہتے ہیں۔ سمجھنے اور سمجھانے کے لئے آسان الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ لطائف محسوس کرنے کی صلاحیت ہیں۔ ذہن جتنا لطیف (ہلکا، غیر مرئی) ہوتا ہے، اسی مناسبت سے ثقل سے آزاد ہوتا ہے۔ لطیفہ نفسی میں ثقل سب سے زیادہ ہے۔ اس درجے میں رہتے ہوئے ثقل کی گرفت ٹوٹ جائے تو خواب کے حواس حاصل ہوتے ہیں۔ خواب کی دنیا میں رفتار پر غور کرتے ہوئے علم کے مرتبے کا اندازہ لگائیں کہ محض آخری درجے کے ثقل سے نکل کر فرد کی رفتار کتنی تیز ہو جاتی ہے۔ ایسے میں جب وہ خواب سے پہلے کی دنیاؤں میں داخل ہوگا، وہاں رفتار کا عالم کیا ہوگا!

پوری کائنات رفتار کے قانون پر قائم ہے۔ کن ــــ ہو جا! رفتار ہے۔ ایک حکم سے لاشمار عالمین بنا رب العالمین اللہ تعالیٰ کی کبریائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رفتار کے قانون کا علم ہر مخلوق کو اس کی صلاحیت کے مطابق دیا ہے۔ چوں کہ دنیا باطن میں ہے اور دنیا کا نظام باطن میں ہے، باطن میں تفکر کر کے شعور ''انسان'' سے واقف ہو سکتا ہے ورنہ انسان کی صفات ہونے کے باوجود شعور ''آدمی'' کے درجے میں رہتا ہے۔ (سب بھائیوں کی بہن)

''ماہنامہ قلندر شعور'' نے خوب صورت انداز میں آدمی اور انسان کی تصویر کشی کی ہے۔ تفکر درج ذیل ہے،

آدمی	انسان
گارا، بجنی مٹی، تعفن اور سڑاند ہے	نور سے تخلیق ہے
اسفل سافلین میں پڑا ہوا ہے	احسنِ تقویم ہے
فساد اور بگاڑ پیدا کرتا ہے	علم الاسما سے واقف ہے
پابند (دن) حواس میں رہتا ہے	آزاد (رات) حواس میں رہتا ہے
مٹی سے بنا ہوا لباس ہے	لباس میں حرکت ہے
فکشن شعور میں رہتا ہے	لاشعور میں زندگی بسر کرتا ہے
شک اور وسوسے میں الجھا ہوا ہے	یقین کا حامل اور انعام یافتہ ہے

آدمی روح کی وجہ سے حرکت میں ہے اور روح سے واقف ہونے والا فرد انسان ہے۔ روح اگلے عالم میں منتقل ہوتی ہے اور مٹی کا لباس دنیا میں رہ جاتا ہے۔ (صائمہ نصیر۔ فیصل آباد)

اللہ تعالیٰ نے ہر شے جوڑے جوڑے تخلیق کی ہے۔اس قانون کے تحت ہر نوع کی طرح نوعِ آدم کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ آدمی اور دوسرا انسان ہے۔آدمی سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے بنایا گیا ہے۔

انسان اشرف المخلوقات ہے۔فرمان الٰہی ہے،

''انسان ہماری بہترین صناعی ہے لیکن وہ اسفل سافلین میں پڑا ہوا ہے۔'' (التین: ۴۔۵)

مادی جسم سڑی ہوئی مٹی سے تخلیق ہے۔ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنے مادی رخ (آدمی) کی حقیقت کو سمجھیں اور روحانی رخ (انسان۔احسنِ تقویم) کا ادراک کریں۔سرورق پر انسان کی طرف بنی ہوئی کہکشاں علمی وسعت کو ظاہر کرتی ہے۔ (محمد سمیع۔کراچی)

''پھر یاد کرو اس موقع کو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے بشر پیدا کر رہا ہوں، جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح سے کچھ پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔'' (الحجر: ۲۸۔۲۹)

سرورق پر درمیان میں خط ہے جس سے میں یہ سمجھا ہوں کہ خاکی جسم اور ملکوتی جسم ایک ورق کے دو صفحے ہیں۔ انسان کا لباس آدمی ہے اور آدمی روشنی کی وجہ سے حرکت میں ہے۔انسان ہمہ وقت چھ لطائف سے فیڈ ہوتا ہے۔شعور اور لاشعور کا تعلق ان لطائف سے ہے۔لطائف ـــ روشنی کے مختلف زون ہیں۔ہر زون میں روشنی کا درجہ پہلے زون سے الگ ہے۔روشنی کی حرکت کو لباس میں دیکھنے والا ذہن صفات جاننے کا حامل نہیں ہوتا۔ذہن مادیت کے خول سے آزاد ہو جائے تو صفات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔مشاہدے کا طریقہ لاشعور کو زیادہ وقت دینا ہے۔

تخلیق کے بعد جسم میں روح پھونکنے یا داخل ہونے کا مقصد یہ ہے کہ انسان روح کی صفات کا علم حاصل کرے۔

(ڈاکٹر زیڈ احمد۔کراچی)

آدمی اسفل سافلین کا مکین اور انسان احسن تقویم کی تصویر ہے۔آدمی نافرمانی ہے اور انسان فرماں برداری ہے۔جنت میں شک سے رجوع کرنے کی وجہ سے ہم محدود ٹائم اور اسپیس کی قید میں آ گئے۔شک شیطان سے قریب کرتا ہے اور ''روشن یقین'' شخص اللہ کا دوست ہے۔ (عارفہ مکرم۔لاہور)

اقتباسات

''ماہنامہ قلندر شعور'' کو گلدستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوششیں قابل قدر ہیں۔ ملفوظات، تاریخ، انکشافات، سائنسی فارمولے اور دلچسپ معلومات بھیج کر اس رسالے کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم و بیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ تاریکی (جسم) میں چراغِ عشق روشن کرتا کہ غفلت کے اندھیرے دور ہوں اور تجھے گم شدہ اثاثہ مل جائے۔ تیرے اندر طلب و استعداد کا جذبہ موجود ہے، جگانے کی ضرورت ہے۔ اندر میں سفر کٹھن ہے اور اس میں واحد رکاوٹ تو خود ہے۔ جس منزل پر پہنچنا ہے، اس کا کوئی مول نہیں۔ عشق کے بغیر یہ راستہ طے نہیں ہوتا کہ عشق نشیب و فراز سے گزرنے کے آداب سکھاتا ہے۔

(مرسلہ: عبدالودود، سوات)

غیظ و غضب کے جواب میں نرم گفتگو آگ پر پانی ڈالنے کے مترادف ہے۔ آواز میں سختی کے بجائے نرمی پیدا کرتا کہ مقابل تجھ سے اختلاف کیوں نہ رکھتا ہو، بات سننے کے لئے آمادہ ہو جائے۔ نرم لہجے کی تاثیر سے پتھر دل موم ہو جاتا ہے۔ پتھر سے تو کیا بنائے گا—؟ ہاں! موم کو جس سانچے میں چاہے، ڈھال سکتا ہے۔ (مرسلہ: عمارہ عامر، کراچی)

بڑھاپے کی عمر ایسا زمانہ ہے جب آدمی کو ناتوانی کا احساس ہوتا ہے اور معمولی سی بات بھی محسوس ہونے لگتی ہے۔ لہٰذا والدین کی خدمت گزاری میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دیجئے۔ بات ایسی نہ ہو جوان کی ناگواری کا سبب بن جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو تم ان کو اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکیاں دو۔''

(مرسلہ: ناصر شکیل، کتاب: تجلیات، کراچی)

شیخ سعدی فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ رازق مطلق اور بندوں کے احوال سے باخبر ہے۔ اللہ پر ایمان اور روزی سے زیادہ روزی دینے والے سے تعلق ہونا چاہئے۔

(مرسلہ: کاشف اختر، لاہور)

احمد نواز

آپ نے کیا دیکھا ــــ؟

نظر یہ آتا ہے کہ شیر کی خالہ خود کو شیر سے کم نہیں سمجھتی اس لئے آئینے میں شیر دیکھتی ہے۔ شیر کی پہچان رعب و دبدبہ ہے، بلی پنجہ آزمائی میں اس کی خالہ ہے۔ بلی صلاحیت میں کم نہیں مگر خود کو شیر کے روپ میں طاقت ور سمجھتی ہے اور آئینے میں اپنے آپ کے بجائے ذہن کی دنیا دیکھتی ہے۔

چوں کہ آدمی کو خود سے گہری دلچسپی ہے اس لئے دوسروں کو خود سے کم سمجھتا ہے۔ کائناتی قانون کے مطابق جب دلچسپی فقط اپنی ذات (خاندان) سے ہو، ایسے فرد سے اعمال حسنہ کے بجائے تخریب اور فساد پر مبنی افعال زیادہ سرزد ہوتے ہیں اور خداداد صلاحیتیں پردے میں چلی جاتی ہیں۔

''اے جن و انس! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے جو تمہیں میرے احکام سناتے تھے۔ وہ اس دن کی ملاقات سے تمہیں خبردار کرتے تھے۔ وہ کہیں گے، 'ہاں ہم اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں۔' دنیا کی زندگی نے ان لوگوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے مگر اس وقت وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ منکر تھے۔'' (الانعام: ۱۳۰)

غیر جانب داری سے حقائق کی معرفت ملتی ہے۔

۱۔ نافرمانی کا اعتراف، فرد کا یہ تسلیم کرنا ہے کہ اس کا عمل قدرت کے نظام سے مطابقت نہیں رکھتا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو روح کا علم نوعی درجے کے مطابق عطا کیا ہے۔ فرد مرنے کے بعد ریکارڈ دیکھتا ہے، مرنے سے پہلے بھی دیکھنے کی صلاحیت ہے مگر نافرمانی رکاوٹ بن جاتی ہے۔

پیغمبران کرام کی تعلیمات یہ ہیں:

۱۔ اللہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں

۲۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد

۳۔ نفس کا عرفان

۴۔ اچھے برے اعمال کی پہچان

۵۔ اعمال کے نتائج

علمائے باطن فرماتے ہیں کہ اگر معنی پہنانے سے گریز کیا جائے تو اطلاع خالص قبول کرنے کی مشق ہوتی ہے۔ خالص اطلاع قبول کرنے کے لئے فرد کو غیر جانب دار ہونا چاہئے ورنہ مفہوم نہیں کھلتا، اطلاع میں بند رہتا ہے۔ ایسے میں سمجھنے کے لئے آدمی معنی پہنانے لگتا ہے جس سے شک کی نشوونما ہوتی ہے۔

اطلاع سے واقفیت آسان ہے۔ ہم سب کے اندر ایک آواز ہر وقت راہ نمائی کرتی ہے۔ اگر باہر شور زیادہ ہو، ذہن اندر کی آواز سے ہٹ جاتا ہے۔ اندر میں آواز سننے سے باہر آوازیں بے آواز ہو جاتی ہیں۔

۱۔ اطلاع کیا ہے اور عمل کس بنیاد پر ہوتا ہے؟

۲۔ ہمارا عمل دوسروں کو کس طرح متاثر کرتا ہے؟

جب میں قریب یا دور مقام اور منظر کا تصور کرتا ہوں، محسوس ہوتا ہے سارے واقعات میرے سامنے وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔ اپنی فلم بھی سامنے آجاتی ہے اور دیکھتا ہوں کہ اعمال کی بنیاد ناقص اور طرز فکر خام ہے اس وجہ سے ارادہ کم زور ہے۔

مناظر دیکھنا اور ان میں تسلسل قائم ہو کر فلم بن جانا دراصل اطلاعات یا خیالات کا مجموعہ ہے۔ ہر منظر خیال ہے، فلم کی پٹی کا کوئی حصہ خیال سے خالی نہیں، پھر ہم اطلاع یا خیال کے علاوہ کیا ہوئے—؟

تفکر سے اطلاع خالص قبول کرنے کی صلاحیت بڑھتی ہے۔ تفکر نہ کیا جائے، صلاحیت کم ہو جاتی ہے۔ دونوں صورتوں میں صلاحیت اس حد میں رہتی ہے جس پر پیدا کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر آدمی کو الف سے ے تک دیکھنے کی صلاحیت حاصل ہے۔ وہ تفکر کے دوران اس دائرے سے باہر نہیں نکل سکتا، اسی میں سفر کرتا ہے۔ الف سے ے میں ہر وہ مقام اعلیٰ ہے جس میں ذہن اللہ سے قریب ہے، اور ہر وہ مقام اسفل ہے جس میں ذہن اللہ سے دور ہے۔ اعلیٰ مقام high فریکوئنسی اور اسفل مقام low فریکوئنسی ہے۔ شعور پر دونوں کے اثرات مرتب ہوتے اور کیفیات میں ظاہر ہوتے ہیں۔

جنات یا فرشتوں کی دنیا کی بات ہو تو ذہن میں اپنے تجربات اور سمجھ کے مطابق نقشہ بن جاتا ہے۔ کیا اس سے واضح نہیں ہوتا کہ ہمارے اندر زمان و مکان سے واقف ہونے کی صلاحیت ہے —؟ دور موجود منظر دماغی اسکرین پر کیسے ظاہر ہوا؟ یقیناً ہمارے اندر ایسی ایجنسی ہے جو اِس زون سے نکل کر دوسرے زون میں جاتی ہے، تصویر لاتی ہے اور ہم تصویر اپنے ذہن کے مطابق دیکھتے ہیں۔ یہی کیفیت اطلاع کی ہے۔ اطلاع کہیں اور سے آتی ہے۔ ہمیں خالص اطلاع قبول کرنے کی عادت نہیں اس لئے ہم معنی پہناتے ہیں اور اپنی سمجھ کے مطابق تصویر دیکھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اطلاع میں موجود تصویر مخفی رہتی ہے، ہماری طرز فکر نے جو تصویر بنائی، وہ غالب ہو جاتی ہے۔ یہ عمل حقیقت سے انکار کے زمرے میں آتا ہے۔

اطلاع روشنی ہے۔ معنی پہنانے والوں کے لئے روشنی غیب ہے۔ غیب سے ناواقف خواتین و حضرات روشنی کو رنگ میں دیکھتے ہیں۔ دراصل یہ ان کی اپنی سوچ اور ذہن کا رنگ ہے۔ ان حقائق کو سامنے رکھ کر سوچتا ہوں جو کچھ ہم دیکھتے ہیں، کیا وہی ہے جو اطلاع میں ہے یا ہم اپنے ذہن کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں؟

جواب ہمارے اندر ہے۔ عمل ضمیر کے مطابق ہے تو ہم نے اطلاع کے دیکھنے کو دیکھا۔ عمل ضمیر کے خلاف ہے، یہ محدود ذہن کا دیکھنا ہے۔

چیزیں طرز فکر کے مطابق نظر آتی ہیں۔ ایک تصویر میں آئینے کے سامنے بلی بیٹھی تھی مگر آئینے میں شیر نظر آیا۔ تصویر بنانے والے نے پیغام دینا چاہا کہ ہم اپنی سوچ کی تصویر ہیں۔ بات درست ہے۔

تصویر کا تجزیہ کیا جائے تو نظر یہ آتا ہے کہ شیر کی خالہ خود کو شیر سے کم نہیں سمجھتی اس لئے آئینے میں شیر دیکھتی ہے۔ شیر کی پہچان رعب و دبدبہ ہے، بلی پنجہ آزمائی میں اس کی خالہ ہے۔ بلی صلاحیت میں کم نہیں مگر خود کو شیر کے روپ میں طاقت ور سمجھتی ہے اور آئینے میں اپنے آپ کے بجائے ذہن کی دنیا دیکھتی ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ وہ اپنی صلاحیت پہچانے اور خود کو بلی دیکھے ورنہ تین میں رہے گی نہ تیرہ میں!

لوگ نافرمانی کرتے ہیں، نافرمانی کے نتائج قبول نہیں کرتے اور پوچھتے ہیں کہ یہ سب کیوں ہوا؟ سوچتا ہوں کہ ہم خوشی خوشی وہ کام کیوں کرتے ہیں جس کا نتیجہ ہمیں قبول نہیں؟ جواب یہ ہے کہ ہم غلط کو غلط نہیں سمجھتے۔ ہمیں ضمیر کی آواز رد کرنے کی عادت ہے۔ یہ عادت غلط کو صحیح بتا کر دکھاتی ہے۔ آنکھ میں لینس اگر ضمیر کے لینس سے الگ ہے تو جو کچھ نظر آتا ہے اسے سمجھنے کے لئے تجربہ کریں۔ کالے، پیلے، نیلے، سرخ اور ہرے شیشے والے چشمے لیں۔ ایک ایک کر کے پہنیں — اور بتائیں آپ نے کیا دیکھا؟

ہم آپ اپنا ریکارڈ ہیں۔ جب چاہیں دیکھ سکتے ہیں کہ اب تک کیا کیا ہے، کس موڑ پر کھڑے ہیں اور یہ راستہ جاتا کہاں ہے —؟

ایک شخص نے غیبت کی۔ دل بھاری ہوا مگر وہ جذبات کی رو میں آگے بڑھ گیا۔ کسی نے سرزنش کی کہ تم نے فلاں کی غیر موجودگی میں اسے برا کہا، وہ اپنے دفاع کے لئے یہاں موجود نہیں، یہ غیبت ہے جو مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر ہے۔ کیا ضمیر نے ملامت نہیں کی —؟ غیبت کرنے والا فعل پر نادم ہوا اور توبہ کی۔ دل پر سے بوجھ اتر گیا۔

غیبت سے بوجھ کیوں محسوس ہوتا ہے؟

یہ ضمیر کے خلاف عمل اور باطن کے نور سے دور ہونے کا بوجھ ہے۔ فرد کو بتایا گیا کہ عمل سے پہلے اندر میں آواز سننے سے غیبت سے محفوظ رہو گے۔ اگلی بار غیبت زبان پر آئی تو گزشتہ تجربہ یاد آ گیا۔ سمجھ لیا کہ یاد دہانی کروا کر ضمیر نے راہ نمائی کی ہے۔ ہر عمل ریکارڈ ہے اور ریکارڈ گردش میں رہتا ہے۔

اطلاع میں معنی پہنانے کی عادت ارادے کو کم زور کرتی ہے اور قوتِ فیصلہ کو زنگ لگ جاتا ہے۔ فیصلے کی قوت، عمل کے مظاہرے کی قوت ہے۔ قوت میں کمی بیشی کا دارومدار یقین اور شک پر ہے۔ شک کرنے والے کو

نہیں معلوم میں کون ہوں اس لئے وہ اپنی سوچ مقدم رکھنا چاہتا ہے۔ یقین کا حامل خود کو جاننے کی کوشش میں رہتا ہے اور ــــ خاموش ہو جاتا ہے۔

اطلاع ہدایت کا وسیلہ ہے جس کے ذریعے شعور کا لاشعور سے ربط قائم ہے۔ جو فرد اسے سمجھنا چاہتا ہے، قدرت اس پر علم و عرفان کے دروازے کھول دیتی ہے۔

جب کوئی فرد شک کی نفی کرتا ہے، یقین کی لہریں اس پر محیط ہو جاتی ہیں اور اظہار چہرے سے ہوتا ہے۔ چہرہ اندر کیفیات کا آئینہ ہے۔ یقین میں سفر کرنے والے کے ذہن کی رفتار تیز ہوتی ہے یہاں تک کہ ایک زون میں رہتے ہوئے دوسرا زون سامنے آجاتا ہے۔ مثال کے طور پر آدمی سونے کے بعد خواب دیکھتا ہے، ذہن کی رفتار خواب کی رفتار کے مطابق ہونے سے بیداری میں نیند کی دنیا سامنے آجاتی ہے۔

ہمارے اندر ٹائم اور اسپیس کے مدارج طے کرنے کی صلاحیت ہے۔ صلاحیت سے واقف ہونے میں پہلی رکاوٹ شک ہے، یہ مسائل کی جڑ ہے۔ نوع آدم کو جنت میں اسپیس پر تصرف حاصل تھا، شک اور نافرمانی کی وجہ سے تصرف کا علم بھول بھلیاں بن گیا اور آدمی زمین پر آگیا۔ اللہ والے فرماں برداری اور یقین اپنا کر اسپیس پر تصرف کا علم سیکھ لیتے ہیں۔ اسپیس پر تصرف کا مفہوم ہے کہ ایسے خواتین و حضرات تسخیر کائنات کے رازداں ہوتے ہیں۔

سراغ منزل مقصود بھی کوئی پائے

کہاں کہاں نہ تصور نے دام پھیلائے
حدود شام و سحر سے نکل کے دیکھ آئے

نہیں پیام رہ، نامہ و پیام تو ہے
ابھی صبا سے کہو ان کے دل کو بہلائے

غرور جادہ شناسی بجا سہی لیکن
سراغ منزل مقصود بھی کوئی پائے

خدا وہ دن نہ دکھائے کہ راہبر یہ کہے
چلے تھے جانے کہاں سے کہاں نکل آئے

گزر گیا کوئی درماندہ راہ یہ کہتا
اب اس فضا میں کوئی قافلے نہ ٹھہرائے

نہ جانے ان کے مقدر میں کیوں ہے تیرہ شبی
وہ ہم نوا جو سحر کو قریب تر لائے

کوئی فریب نظر ہے کہ تابناک فضا
کسے خبر کہ یہاں کتنے چاند گہنائے

غم زمانہ تری ظلمتیں ہی کیا کم تھیں
کہ بڑھ چلے ہیں اب ان گیسوؤں کے بھی سائے

بہت بلند ہے اس سے مرا مقام غزل
اگرچہ میں نے محبت کے گیت بھی گائے

حفیظ اپنا مقدر حفیظ اپنا نصیب
گرے تھے پھول مگر ہم نے زخم ہی کھائے

(کلام: حفیظ ہوشیارپوری)

عثمان طاہر

ادب ــــ باادب

کہا جاتا ہے کہ آدمی خطا کا پتلا ہے اور لغزشیں بے جا خواہشات کا نتیجہ ہیں۔ ہزاروں خواہشیں پوری ہونے کے بعد ایک خواہش ادھوری رہ جائے تو بیش تر لوگ اس کمی کو خود پر غالب کر لیتے ہیں۔ بداخلاقی میں بڑا ہاتھ نفسِ امارہ کا ہے، نفسِ امارہ وہ پرت ہے جس کی وجہ سے ہم زمین پر آئے۔

ادب کی ہر زبان میں اہمیت ہے کیوں کہ زبان ادب سے باادب ہوتی ہے۔ ادب کا مفہوم الفاظ میں، جملوں میں، رویوں اور رشتوں میں توازن ہے۔ توازن میں معمولی کمی یا زیادتی سے شے کی ساخت و ہیئت، جس صورت پر وہ شے بنی ہے، قائم نہیں رہتی۔

نثر کی بات ہو تو جملے میں توازن جملے کا، اور سخن کا ذکر کریں تو مصرعے میں ترتیب مصرعے کا ادب ہے۔ ادب کا ایک نام اخلاقیات ہے۔ اردو نثر کی طرح اردو شاعری بھی اخلاقی جواہر سے مالا مال ہے اور اخلاقیات کی ترجمانی میں تصوف کا کردار اہم ہے۔

تصوف کا مقصد نفس کا تزکیہ اور اخلاق کی اصلاح ہے تاکہ فرد جس حال میں ہو، حضوری کے دائرے میں رہے۔ قدیم شعرا میں اکثر لوگ صوفیائے کرام کی تعلیمات سے متاثر تھے، رنگ ان کی شاعری میں نظر آتا ہے۔

اردو شاعری کا قدیم دور 1857ء تک ہے۔ جدید دور کے پہلے حصے (الطاف حسین حالؔی سے علامہ اقبالؒ تک) کو ایک طرح سے قدیم دور کہا جاسکتا ہے کیوں کہ گذشتہ چند دہائیوں میں شاعری کا رنگ بدل گیا ہے۔

زبان اور اخلاقیات یک جا ہونے سے ادب ــــ باادب ہوتا ہے۔ اخلاقیات میں مذہب کا کلیدی کردار ہے، شجرِ اخلاق ظاہری و باطنی اقدار سے نشوونما پاتا ہے۔ ہر دور میں اولیائے کرام نے خدمت خلق کے ذریعے لوگوں کو اللہ سے قریب کیا، زندگی کے باطن کو دیکھنا سکھایا اور رویے میں اعتدال کی تعلیم دی، اس سے شعرا کی بھی تربیت ہوئی۔

شاعری ورود ہے، شعر کہنے والا جانتا ہے کہ جب تک آمد نہ ہو، ذہن خالی ہے لہٰذا عاجزی اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے اعتراف میں خدائے واحد کی حمد و ثنا کے پاکیزہ نغموں سے اردو شاعری کا ایوان گونج رہا ہے۔ قدیم شاعری میں ظاہری و باطنی قدروں کو جس طرح

واضح کیا گیا ہے، یہ تحریر اس کی مختصر روداد ہے۔

جس کام میں اللہ کا ذکر اور تصور نہ ہو، اس میں خیر و برکت نہیں رہتی۔ لہٰذا نظامِ اخلاق کی بنیاد اللہ تعالیٰ سے تعلق پر قائم ہے۔ داغؔ دہلوی نے عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے،

صفات و ذات میں یکتا ہے تو اے واحدِ مطلق
نہ کوئی تیرا ثانی ہے نہ کوئی مشترک تیرا

مولانا الطاف حسین حالیؔ کا شعر پڑھیے۔

کامل جو ہے ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا

اللہ دل میں رہتا ہے۔ دل میں ایک مرکز فواد ہے جس میں داخل ہونے والا فکشن کی گرفت سے نکل جاتا ہے۔ صوفی شاعر خواجہ میر دردؔ کہتے ہیں،

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے کہ جہاں تو سما سکے

آدمی نفس پرست ہے۔ اگر اسے یقین نہ ہو کہ وہ ہر لمحہ رب کے حضور حاضر ہے تو اخلاقی و قانونی بندشوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ لہٰذا آدمی کو انسان بنانے کے لئے مذہب نے اصول وضع کئے ہیں۔ ان میں ایک اصول بے نیازی ہے۔ جب آدمی مخلوق سے توقعات ختم کر کے اللہ پر بھروسا کرتا ہے، اس کا اخلاق بلند ہو جاتا ہے۔ بقول شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ،

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے!

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کہتے ہیں،

بیگانگی خلق سے بیدل نہ ہو غالبؔ
کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

کہا جاتا ہے کہ آدمی خطا کا پتلا ہے اور لغزشیں بے جا خواہشات کا نتیجہ ہیں۔ ہزاروں خواہشیں پوری ہونے کے بعد ایک خواہش ادھوری رہ جائے تو بیش تر لوگ اس کمی کو خود پر غالب کر لیتے ہیں۔ بداخلاقی میں بڑا ہاتھ نفسِ امارہ کا ہے۔ نفسِ امارہ وہ پرت ہے جس کی وجہ سے ہم زمین پر آئے۔ لہٰذا اعلیٰ اخلاق کے حصول کے لئے ضبطِ نفس کو اولیت ہے۔

شیخ ابراہیم ذوقؔ کہتے ہیں،

بڑے موذی کو مارا نفسِ امارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا

جب تک ''میں'' ہے، سنگ گراں باقی ہے۔ یہاں الطاف حسین حالیؔ کا شعر قابل غور ہے،

ڈر نہیں غیر کا جو کچھ ہے سو اپنا ڈر ہے
ہم نے جب کھائی ہے اپنے ہی سے زک کھائی ہے

عاجزی و خاکساری اعلیٰ صفات ہیں جو غرور و تکبر جیسے نفسانی امراض سے بچاتیں اور دنیا و آخرت میں سرخرو کرتی ہیں۔ بڑا شاعر ہمیشہ سادگی اور خاکساری کی صفات کو مقدم رکھتا ہے۔ میر تقی میرؔ کہتے ہیں،

معیشت ہم فقیروں کی سی اخوان زماں سے کر
کوئی گالی بھی دے تو کہہ بھلا بھائی بھلا ہوگا

غرور وتکبر کے بارے میں ذوقؔ کا مشہور شعر ہے،

گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے میں
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

نرم دل بندہ لوگوں میں محترم ہوتا ہے۔خواجہ میر دردؔ نے اس ضمن میں نسخۂ کیمیا کا ذکر کیا ہے،

اکسیر پر مہوّس! اتنا نہ ناز کرنا
بہتر ہے کیمیا سے، دل کا گداز کرنا

حیدر علی آتشؔ کہتے ہیں کہ سخت زبان دوزخ کی ہے،

نہ کہہ رندوں کو حرف سخت واعظ
درشت اہلِ جہنم کی زباں ہے

تسخیر قلوب کا راستہ خوش خلقی ہے ۔ترش رو اور بدمزاج لوگ متعدد خوبیوں کے باوجود ہر دل عزیز نہیں ہوتے۔معرفت کا جام پینے والے خوش مزاج اور خلیق شمعیں ہیں،ان کے گرد پروانے جمع ہوجاتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے لکھا ہے،

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق

تصورِ آخرت بھی اردو شاعری میں نمایاں ہے۔ قیامت ،میدان حشر، جنت دوزخ ،حوروغلمان اور اس قسم کے بیسیوں الفاظ شاعری میں کثرت سے استعمال ہوئے ہیں ۔خواجہ حیدر علی آتشؔ کہتے ہیں کہ ہر شخص کو اپنی منزل خود طے کرنی ہے۔

چلنا پڑے گا ملکِ عدم کو پیادہ پا
اس راہ میں نہیں ہے گزارہ سوار کا

جگرؔ مرادآبادی نے محشر کے ذکر کے ساتھ اللہ کی صفتِ رحمت کو اجاگر کیا ہے

سرِ محشر ہم ایسے عاصیوں کا اور کیا ہوگا
درِ جنت نہ وا ہوگا، درِ رحمت تو وا ہوگا

جان و مال اللہ کی امانت ہیں۔انہیں اللہ کی راہ میں استعمال کرنا بندگی ہے۔مرزا اسداللہ خاں غالبؔ نے کیا خوب کہا ہے،

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

دنیا میں ایک نظام تغیر اور دوسرا غیر متغیر ہے۔مذہب نے تغیر کی زندگی کو فریب کہہ کر وہ رخ واضح کیا ہے جس میں تبدیلی اور تعطل نہیں۔قدیم شاعری دنیا کی ناپائیداری اور بے ثباتی کا گہرا نقش ہے۔موجودہ دور مشینی ہے،مشین کی آواز میں لوگوں کی توجہ فنا و بقا کی طرف نہیں جاتی۔میر تقی میرؔ کا قطعہ پڑھئے۔

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کر چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا

آدمی مادیت کی دوڑ سے پریشان ہے مگر نکلنا بھی نہیں چاہتا۔قناعت سے ناآشنا ہے اس لئے دن کا

چین حاصل نہیں، رات کا آرام کھو دیا ہے۔

مرزا رفیع سوداؔ کا شعر ہے،

آرام پھر کہاں ہے جو ہو دل میں جائے حرص
آسودہ زیر خاک نہیں آشنائے حرص

قناعت کی منزل استغنا ہے۔ دولت ہو، عہدہ ہو یا اقتدار ــــ مستغنی بندہ عارضی چیزوں سے بے نیاز ہے۔ یہ فقر کی کیفیت ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کو اگر کوئی زِرہ محفوظ رکھتی ہے تو وہ استغنا ہے۔ میر دردؔ کہتے ہیں،

موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے
مرنے سے پہلے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں

فقر کا مطلب افلاس یا محتاجی نہیں۔ خواجہ میر دردؔ نے ان کے درمیان فرق کو بھی واضح کیا ہے۔

زنہار ادھر کھولیو مت چشمِ حقارت
یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے

اور اکبر الٰہ آبادی نے عجب شاعرانہ انداز میں فقر و استغنا اور قناعت کا اظہار اس طرح کیا ہے،

دنیا میں ہوں دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں
زندہ ہوں مگر زیست کی لذت نہیں باقی
ہر چند کہ ہوں ہوش میں ہشیار نہیں ہوں

اولیاء اللہ کی زندگی سکھاتی ہے کہ عزت ــــ خدمتِ خلق سے ہے۔ خدمت کرنے والے ہر دور میں زندہ رہتے ہیں۔ شیخ ابراہیم ذوقؔ نے اس تعلیم کو خوب صورت کلام میں پرو دیا ہے۔

شاعر جوشؔ ملیح آبادی سے ایک بار پوچھا گیا کہ آپ کی شاعری میں جوش تو ہے لیکن درد و کسک نہیں ہے۔ جوش نے جواب دیا، میں نے کل 18 عشق کئے اور کسی میں ناکام نہیں ہوا پھر شاعری میں درد کہاں سے آتا۔

نام منظور ہے تو فیض کے اسباب بنا
پل بنا چاہ بنا مسجد و تالاب بنا
چشم مخمور کا ہوں کس کی میں کشتہ یارب
کہ مری خاک سے بھی جام مئے ناب بنا
جب کیا عشق کے دریا نے تلاطم اے ذوقؔ
تو کہیں موج بنی اور کہیں گرداب بنا

گو کہ اردو کی قدیم شاعری میں عشقِ مجازی کا رنگ گہرا ہے مگر یہ صوفیائے کرام کی تعلیمات سے بھی متاثر ہے۔ ایسے کئی اشعار، نظموں اور غزلوں کا حوالہ دیا جا سکتا ہے مگر تحریر کی طوالت کے پیش نظر اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ عشقِ الٰہی، نفس کا عرفان، قناعت، فقر، خدمتِ خلق، استغنا، نسخۂ کیمیا، عاجزی و انکساری وغیرہ وہ صفات ہیں جو اللہ کے نیک بندوں کا خاصّہ ہیں۔

مرزا غالبؔ کہتے ہیں،

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا
یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

وسام مسعود

نفی ـــ اثبات

ندامت اس بات کی ہے کہ جب دنیا سے مایوس ہوکر تھک گیا تو آپ کے در پر حاضر ہوا۔ آپ نے میرے گناہوں کے باوجود مجھے اپنی یاد سے نوازا اور در کی روشنی دکھائی۔

کبھی محبت کی ہے؟ اصغر نے اشعر کی نصیحتوں سے تنگ آ کر پوچھا۔ اگر نہیں کی تو اللہ کا واسطہ ہے خاموش ہو جاؤ۔ تمہاری ہمدردی کی ضرورت نہیں۔ میرا کرب وہ شخص سمجھ سکتا ہے جس کا دل زخمی ہو۔

وہ اشعر کی باتوں سے زچ ہو گیا تھا۔

اشعر نے وضاحت دینا چاہی لیکن اس نے روک دیا، کیا میں خوشی سے اس حال میں ہوں ـــ؟ جن خیالات سے بھاگنا چاہتا ہوں، اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے میں قفس میں ہوں۔ چار سو اندھیرا ہے۔ منتظر ہوں کہ روشنی نظر آئے ـــ مگر روشنی نظر نہیں آتی۔ دماغ سن ہو جاتا ہے، درد ختم نہیں ہوتا۔

دیکھو اصغر! ایسا نہیں ہوسکتا۔ تم بااختیار ہو، حالات قبول کر کے آگے بڑھ سکتے ہو۔ اجالے کے منتظر رہنے کے بجائے خود اجالا کیوں نہیں کرتے؟

اصغر نے دوست سے کہا، کتنی آسانی سے کہہ دیا میں بااختیار ہوں، کبھی اس گلی میں آ کر دیکھو۔ یہ آگ ہے، ایک بار لگ جائے، خاکستر کر دیتی ہے۔

اشعر بولا، ہر ایک کو اپنی تکلیف بڑی لگتی ہے۔ ٹھیک ہے تمہارے درد کو محسوس نہیں کر سکتا لیکن اس حال میں کیسے چھوڑ دوں؟ آج تکلیف ہے، کل نہیں تھی اور انشاء اللہ آنے والے کل میں بھی نہیں ہوگی، اگر تم ان حالات سے نکلنے کی کوشش کرو۔ ہر چیز مقررہ وقت تک ہے۔ زندگی ایک جگہ رکنے کا نام نہیں۔ خود کہتے ہو کہ نکلنا چاہتے ہو۔ کیا نکلنے کی کوشش کی؟ جو کچھ ہوا، مسلسل دہرا رہے ہو۔

اصغر نے بے بسی سے اشعر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، میں تھک گیا ہوں۔ میں نے کیا نہیں کیا۔ گھوما پھرا، مصروف رہنے کی کوشش کی، دوستوں کے ساتھ دل بہلایا لیکن خوشی نہیں ملی۔ گھوم پھر کر وہیں پہنچ جاتا ہوں جہاں سے فرار چاہتا ہوں۔ پھر خیال افسردہ کر دیتا ہے۔ خیال کا کیا کروں؟

اشعر بولا، ریڈیو کو جس فریکوئنسی پر tune کرتے ہیں، وہ اسی فریکوئنسی پر چلتا ہے۔ اسی طرح ہم جن خیالات کی لہریں قبول کرتے ہیں، وہ ہم پر طاری

ہو جاتی ہیں۔ ماضی گزر گیا ہے، اس میں رہنے کا کیا فائدہ؟ بس خود کو پریشان کرنے والی بات ہے۔

اصغر بولا، پریشان خیالی سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟

اشعر نے کہا، راستہ ایک ہے۔ اس کے علاوہ ساری راہیں بے راہ کر دیتی ہیں۔ زندگی کے ہر مرحلے پر لوگ ملتے اور بچھڑ جاتے ہیں، ان میں سے چند یاد رہتے ہیں اور باقی یادداشت سے محو ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو ہم بھولتے ہیں اور کچھ ہمیں بھول جاتے ہیں۔ جن سے تعلق ہوتا ہے، ایک دن وہ ہمیں اور ہم ان کو چھوڑ کر رخصت ہو جاتے ہیں، کیا دنیا کے رشتے پائیدار ہیں؟

اصغر بولا، یہ سب منطق اور فلسفہ ہے۔

یہ منطق نہیں ہے۔ منطق وہ ہے جو تم کہہ رہے ہو۔ یہ مشکل سے نکلنے کا راستہ ہے۔ تم اس راستے میں پہلے نہیں، کئی لوگ گزر چکے ہیں۔ تمہیں دنیا سے عشق ہوا ہے جس کا انجام یہی ہونا تھا۔ ان سے پوچھو جو حق کے عشق میں جیتے ہیں اور مایوسی سے محفوظ رہتے ہیں۔

دعا کیا کرو کہ

''اے اللہ! ہمیں صراط مستقیم پر چلا، ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر آپ کا انعام ہوا، نہ کہ وہ لوگ جن پر غیظ و غضب ہوا۔''

بھائی! جس طرح تم خود پر افسردگی طاری کر لیتے ہو، اسی طرح ذاتِ پاک اللہ تعالیٰ کا خیال طاری کرو پھر مصائب آگے بڑھنے کے مراتب بن جائیں گے۔

اصغر خاموش رہا۔ اشعر نے ہار نہیں مانی اور بولا، سب آزما کر دیکھ چکے ہو۔ ایک مرتبہ اس راستے پر چل کر دیکھ لو۔ اللہ سے فریاد کرو، دل منور ہو جائے گا۔ وہ تمہیں روشنی سے نوازے گا۔ ایک شخص کی محبت میں گم ہو کر حال دیکھ لیا۔ اللہ کی محبت میں کھو کر دیکھو!

اصغر بولا، مجھ سے نہیں ہوگا۔ میں گناہوں سے لتھڑا ہوا ہوں۔ اللہ کے پاس کیسے جاؤں؟

اشعر ہنس دیا، بھائی! وہی تو ہے جو گناہوں سے پاک کرتا اور سکون دیتا ہے۔ تمہارے ہر پل سے واقف ہے۔ جو ظاہر کرتے ہو، اسے جانتا ہے، جو چھپاتے ہو اس سے باخبر ہے۔ اللہ سے کیسی دوری!

کافی دیر سمجھانے کے بعد اشعر گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے اٹھا، میں چلتا ہوں۔ دیر ہو گئی ہے۔

شکریہ دوست! ورنہ آج کل کون کسی کو یاد رکھتا ہے۔

اشعر بولا، میں دوست ہوں۔ دوست دکھ سکھ میں ساتھی ہوتا ہے۔ شکریہ ادا کرنا چاہتے ہو تو راستہ درست کر لو۔ کیا ان باتوں نے دل پر اثر نہیں کیا—؟

میں ان پر عمل کروں گا۔ اصغر مسکرا دیا۔

انشاء اللہ۔ اشعر خدا حافظ کہہ کر لوٹ آیا۔

رات گہری ہو رہی تھی۔ اصغر بستر پر لیٹا سونے کی کوشش میں تھا۔ وادیِ نیند کوسوں دور تھی۔ پھر ماضی یاد آیا اور ہر یاد ستانے لگی۔ اضطراب و اضمحلال میں اپنی بے چارگی پر افسوس کرتا رہا۔ دماغ افسردہ خیالات کے وزن سے بھاری ہو گیا۔ بالآخر وہ جھنجھلا کر اٹھ بیٹھا اور

اللہ کو پکارا۔۔۔ یا اللہ! یادِ ماضی سے نجات دے۔

اشعر کی باتیں یاد آئیں اور اس نے دھیان تمام خیالات سے ہٹا کر صرف اللہ کی طرف مرکوز کرنے کے لئے ورد کرنا شروع کیا،

ایاک نعبد وایاک نستعین

اھدنا الصراط المستقیم

''ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں اور آپ سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت دے۔''

دعا میں مشغول نہ جانے کب سو گیا۔ جب آنکھ کھلی، رات آخری پہر میں ڈھل رہی تھی۔ وہ بستر سے اٹھا، وضو کیا اور مصلاّ بچھا کر رب کے حضور حاضر ہوا۔

نیت باندھنے سے پہلے تصور کیا کہ میں اللہ کے سامنے حاضر ہوں اور اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ کچھ دیر حضوری کی کیفیت میں رہنے کے بعد جب خیال، دیگر خیالات سے ہٹ گیا تو نیت باندھ کر بلند آواز سے کہا،

اللہ اکبر! (اللہ سب سے بڑا ہے)

حضوری کی کیفیت میں نماز پڑھتے ہوئے پہلی مرتبہ بے حد لطف محسوس ہوا۔ سکون کی چادر نے سر سے پیر تک ڈھانپ لیا۔ جتنی بار وہ اللہ اکبر کہتا اور اللہ کے آگے جھکتا محسوس ہوتا کہ اس کی نفی ہو رہی ہے، درد دور ہو رہا ہے اور اللہ کی یاد قریب ہو گئی ہے۔

نماز کے بعد وہ زار و قطار روتا رہا۔

ندامت تھی کہ کتنے عرصے بعد نماز پڑھی ہے اور اللہ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔ اللہ نے میری سالوں کی کوتاہی اور غفلت کے باوجود مجھے قبول کیا اور نماز میں یکسوئی، راحت اور سکون سے نوازا۔

گزرا ہوا زمانہ افسوس کے سوا کچھ نہیں تھا۔

دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور اللہ کو پکارا،

''یا اللہ! بھٹکا ہوا مسافر ہوں، زندگی غفلت میں گزری ہے۔ ندامت اس بات کی ہے کہ جب دنیا سے مایوس ہو کر تھک گیا تو آپ کے در پر حاضر ہوا۔ آپ نے میرے گناہوں کے باوجود مجھے اپنی یاد سے نوازا اور در کی روشنی دکھائی۔ میں خطا کار ہوں، آپ کے در پر سر جھکاتا ہوں، مجھے بخش دے اور رحم فرما۔ یا اللہ! اپنی روشنی عطا کر کہ اس کے علاوہ سب اندھیرا ہے!''

وہ بچے کی طرح رو کر فریاد کر رہا تھا۔ دور کہیں مرغ نے بانگ دی۔ بانگ سن کر سر سجدے میں رکھ دیا۔ کمرا سسکیوں سے گونج رہا تھا۔ پھر مسجد سے اذان بلند ہوئی،

اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر

اذان کا پہلا کلمہ تمام عالمین پر محیط ہے۔ اصغر پر الفاظ میں گہرائی آشکار ہوئی۔ کائنات میں لاشمار عالمین ہیں۔ کون سا عالم یا شے ہے جس کا ذکر ان الفاظ میں نہیں؟

اللہ سب سے بڑا ہے

ہر شے کی نفی اور اللہ کا اثبات ہے

نفی کے معنی ہیں کہ ہر شے ٹوٹ کر بکھر جانے والی ہے۔ صرف اللہ کی ذات قائم و دائم ہے۔

اصغر ٹوٹنے کے عمل سے گزرا تھا۔ جان لیا تھا کہ وہ ''اصغر'' ہے، صرف اللہ پاک کی ذات ''اکبر'' ہے۔

محمد عدنان خان

پورب کے ہم زاد

رنگ و چمن، عروج و زوال، عشق و سرمستی اور فنا و بقا کے رنگوں سے معمور صدیوں پر محیط داستان جس کی مکانیت تبت کی فلک بوس چوٹیوں سے لے کر ٹیکسلا کی سرسبز وادیوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

ردا کا تعلق عرب نژاد پاکستانی خاندان سے تھا۔ پاکستان میں اپنی دوست نیلم کے گھر ذکر و فکر کی محفل میں ردا کی بزرگ سے ملاقات ہوئی جن کی توجہ نے طبیعت میں روحانیت کی طرف میلان پیدا کر دیا۔ والد کے تبادلے کی وجہ سے ردا اور نیلم کے درمیان رابطہ منقطع ہو گیا۔ ردا نے برطانیہ کی ایک یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ یہاں کاربن ڈیٹنگ کے پروفیسر جی آر چوہان کے لئے ردا کی شخصیت معما تھی جسے جاننے میں وہ ناکام رہے۔ یونی ورسٹی کی تعلیم کے بعد جب پی ایچ ڈی آخری مراحل میں تھی تو ردا کے والد کا پھر پاکستان تبادلہ ہو گیا۔ اس نے تھیسز مکمل کرنے کے لئے ٹیکسلا کے آثارِ قدیمہ کا انتخاب کیا جہاں صدیوں پرانی داستان صفحہ قرطاس پر ظاہر ہونے کے لئے ردا کی منتظر تھی۔ اسے ٹیکسلا میں صدیوں پرانے کشان دورِ حکومت کا شہزادہ ملا جو اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ ردا کو شہزادے سے دور رکھنے کے لئے مکروہ صورت بوڑھا بجرولال سامنے آیا اور پریشانیوں کا آغاز ہوا۔ بزرگ سے ملاقات کر کے وہ سہیلی کے ہمراہ گھر جا رہی تھی کہ راستے میں بجرولال کی وجہ سے حادثہ پیش آ گیا جس میں سہیلی بچ گئی لیکن ردا کوما میں چلی گئی۔ اس دوران ردا کے اندر سے روشنی کا ایک پرت نکلا اور ماضی میں سفر کرتے ہوئے اسے ہزاروں سال پہلے لے گیا۔ اب آگے پڑھیے۔

ان کا سرغنہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا،

بی بی! ہمیں بلوا لیا ہوتا۔

میں نے سختی سے جواب دیا، مجھے تم سے کام نہیں۔

قبیلہ بیگنار کی سردارنی کو کہاں رکھا ہے—؟

ان کے چہرے سے پریشانی دور ہو گئی۔

سرغنہ اطمینان سے بولا، اسے دندان لے گیا ہے۔

وہ سچ بول رہا تھا۔ اس وقت اس کے نسمہ کے رنگ معمول پر تھے۔ میرا یہاں رکنا وقت ضائع کرنے کے مترادف تھا۔ میں نے سانبھر (بارہ سنگا) کی گردن تھپتھپائی اور دندان کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ اس نے فوراً رخ موڑا اور تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگا۔

اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔ چاند بھی افق پر چاندنی کے ساتھ بادلوں کی اوٹ سے باہر آ چکا تھا۔

آگے کا بڑا علاقہ میدانی مگر غیر ہموار چھوٹے بڑے

سرسبز ٹیلوں پر مشتمل تھا۔ سارے راستے حشرات الارض کی آوازیں سنیں۔ درمیان میں کبھی کبھی الوؤں کی آواز ہیبت ناک تاثر پیدا کر دیتی۔ دنیا کے مختلف خطوں میں الوؤں کی آوازوں کو سنا جائے تو مشرقی جنگلات میں پائے جانے والے الوؤں کی آواز سب سے خوف ناک ہے۔

میں جس علاقے سے گزر رہی تھی، یہ موجودہ دور کے نیپال اور بھارت کا سرحدی علاقہ تھا جو پہاڑی اور جنگلی الوؤں کا مسکن تھا۔ سانبھر سبک رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا۔ یہاں سے تقریباً دس سے پندرہ فرلانگ فاصلہ طے کرنے پر اونچے ٹیلے سے گزر ہوا تو دور سے چند سائے حرکت کرتے ہوئے نظر آئے۔ سانبھر اسی جانب دوڑ رہا تھا۔ جیسے جیسے فاصلہ سمٹتا گیا، غیظ و غضب کی لہریں مجھ پر محیط ہوتی گئیں۔ پھر وہی محبت بھری آواز سنائی دی،

''اے سہیلی! غصے کی آگ ارتکاز کو متاثر کرتی ہے۔ یہ بندے کی دشمن ہے۔ جیسے دھواں آگ کو ڈھک دیتا ہے، دھند منظر اور دھول شیشے کو، ویسے ہی غصہ ارتکاز پر حاوی ہو جاتا ہے۔ غصہ پیدا ہونے سے شک اور خوف بڑھتا ہے۔ شک کا جال سوچنے کی قوت کو منتشر کرتا ہے۔ سوچنے کی قوت منتشر ہونے سے فہم مفلوج ہوتی ہے اور قوت فیصلہ متاثر ہو جاتی ہے۔ اے نیک دل! غصے کو اپنے بس میں کر۔ خود اس کے بس میں نہ ہو جا۔''

میں نے کہا، اے خوب صورت آواز! کیا مجرم کو جرم کی سزا نہیں ملنی چاہئے؟

آواز آئی، ''ضرور ملنی چاہئے اور سزا ملتی ہے لیکن اس کے لئے تم اپنی توانائی کیوں ضائع کرتی ہو۔ کیا تم نے سنا نہیں — اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، جو لوگ غصے پر قابو پاتے ہیں، اللہ ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔''

غصے پر گرفت کم زور ہوتی گئی یہاں تک کہ جھاگ کی مانند بیٹھ گیا۔ غصہ دور ہونے سے ایسا لگا کہ منظر بدل گیا ہے۔ ذہن پر سے دھند چھٹ گئی تھی۔

دندان جو کچھ کر رہا تھا، وہ تربیت اور ماحول کے زیر اثر تھا۔ جیسے درندہ شکار پکڑتے وقت سفاک دکھائی دیتا ہے، یہی صورت دندان کی تھی۔ ماورائی آواز کے دوران سانبھر رک گیا۔ گویا آواز میری سماعت میں گونجنے کے ساتھ سانبھر کو بھی سنائی گئی تھی۔ آواز رکتے ہی وہ ایک مرتبہ پھر سرپٹ دوڑنے لگا۔

گھڑ سواری میرا مشغلہ تھا۔ اونٹ پر بھی سواری کی تھی مگر جتنی آرام دہ سواری سانبھر کی تھی، اس کا دوسرے جانوروں سے مقابلہ نہیں تھا۔ جلد دھندلے سائے خدوخال کے ساتھ واضح ہونے لگے۔ وہ میری آمد سے آگاہ ہو چکے تھے اور ہماری جانب دیکھ رہے تھے۔

کُل چار افراد تھے جن میں ایک دندان، دو اس کے ساتھی اور گھوڑے پر سوار بے بسی کی تصویر بنی سلابھا کی ماں، جس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

سلابھا کی ماں کو اس حال میں دیکھ کر ایک مرتبہ پھر غصہ غالب ہونے لگا۔ نزدیک پہنچنے پر دندان اور اس کے دونوں ساتھی گھوڑوں پر سے اتر آئے۔ ساتھی میری آمد پر خوف زدہ دکھائی دیئے۔ چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں جب کہ دندان کی گردن تنی ہوئی تھی مگر آنکھوں میں خجالت اندرونی کیفیت کی چغلی کھا رہی تھی۔

وہ خفت مٹانے کے لئے بولا، بی بی! آپ کی اس وقت یہاں موجودگی سمجھ سے بالاتر ہے۔ کوئی ضروری کام تھا تو کسی کو بھیج دیتیں۔

ہاں! کام بہت ضروری ہے مگر کسی کو بھیج کر کروانے والا نہیں، خود کرنے والا ہے۔

ہمارے لئے کیا حکم ہے، ہمیں آدھی رات سے پہلے اسے محل پہنچانا ہے۔ دندان نے سلابھا کی ماں کی طرف اشارہ کر کے لاپروائی سے پوچھا۔

معصوم بچی ماں کی راہ دیکھ رہی ہے، یہ تمہارے ساتھ نہیں، ہمارے ساتھ جائے گی۔

واپس جائے گی—؟ یہ بھینٹ کے لئے چن لی گئی ہے اور آج رات اس کی قربانی طے ہے۔

کس نے طے کی ہے—؟ ایسی بھینٹ صرف شیطان کے لئے ہوتی ہے۔

وہ تو ہے۔ کہہ کر دندان نے سیدھے ہاتھ کے پنجے کی پشت میری طرف کر دی۔ پنجہ ہاتھ کی مناسبت سے قدرے بڑا اور پشت پر سے سیاہ تھا۔

اس کا کیا مطلب ہے؟ میں نے تیزی سے پوچھا۔

کمال ہے آپ کو بھی مطلب بتانا پڑے گا؟ کہہ کر دندان نے تلوار سونت لی اور گرج کر بولا، قسم ہے ماں لچھاوی کی! میں اس کے حکم سے نہیں پلٹ سکتا۔

دندان کے تلوار سونتتے ہی آسمان پر بادلوں کی حالت تیزی سے تبدیل ہونے لگی۔ چاند ایک بار پھر چھپ گیا۔ بادلوں کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ ہلکی لیکن مسلسل آواز آنے لگی جیسے جہاز کہیں دور بلندی پر اڑ رہا ہو۔ آسمان میں ہر تھوڑے فاصلے پر روشنی کی لکیریں جھماکوں کی صورت میں ظاہر ہوئیں۔

دندان کے ساتھیوں کے ساتھ اب اس کی اپنی حالت بھی غیر دکھائی دے رہی تھی۔ میں ماحول میں تیزی سے ہونے والی تبدیلی کے اثر سے آزاد، دندان پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

وہ خوف اور گھبراہٹ میں ایک ہاتھ میں تلوار لئے، دوسرا ہاتھ کھولے مستقل دائیں بائیں گھومتا ہوا پیچھے ہٹ رہا تھا۔ گھوڑے بے چینی سے ہنہنانے لگے اور بھاگنے کے لئے تیار تھے۔

سلابھا کی ماں ''موریا'' جس گھوڑے پر سوار تھی وہ گھوڑا بھی بے چین ہو گیا جیسے ابھی دوڑے گا۔ اس کے بھاگنے کے خطرے کے پیش نظر میں نے تیزی سے سانبھر کی زین میں لگا خنجر نکال کر موریا کے ہاتھوں کی رسی کاٹی اور گھوڑے سے اترنے کے لئے سہارا دیا۔ ہاتھ کھلتے ہی وہ جان کی پروا کئے بغیر بپھری ہوئی شیرنی کی مانند دندان کی طرف بڑھی۔

دندان غیر متوقع صورت حال کے لئے تیار نہیں تھا۔ موریا کو اپنی جانب آتا دیکھ کر الٹے قدموں پیچھے ہٹا، چٹان کے ابھرے ہوئے حصے سے پاؤں ٹکرایا، وہ لڑکھڑایا اور پیچھے موجود گہرے گڑھے میں زوردار چیخ کے ساتھ لڑھک گیا۔اس سے پہلے کہ موریا اس کے پیچھے گڑھے میں اترتی، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ دندان کے دونوں ساتھی سرپٹ دوڑے۔

ہمارا راستہ صاف تھا۔ میں دندان سے الجھنا نہیں چاہتی تھی۔اس کے گڑھے سے نکلنے سے پہلے، موریا کو سہارا دے کر سانبھر پر سوار کیا اور تیزی سے اس کے آگے چلنا شروع کر دیا۔ہم دونوں کا وزن سانبھر کے لئے زیادہ ہو جاتا اس لئے پیدل چلنے لگی۔

ایک طرف موریا شرمندہ دکھائی دی اور دوسری طرف سانبھر بھی مزاحمت کر رہا تھا۔وہ چاہتا تھا کہ میں اس پر سوار ہو جاؤں۔ مجھے احساس ہوا کہ حالات کا تقاضا وقت ضائع نہ کرنا ہے۔ میں نے سانبھر کا خیال کرتے ہوئے پیدل چلنے کا فیصلہ کیا تھا۔

بادل گرج رہے تھے۔کسی بھی لمحے موسلا دھار بارش ہو سکتی تھی، ٹھنڈ بھی زوروں پر تھی۔ میں جگہ بنا کر موریا کے آگے بیٹھ گئی۔میرے بیٹھتے ہی سانبھر کو پر لگ گئے۔ ہم دونوں نے زین مضبوطی سے پکڑی۔سانبھر اب غیر معمولی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔

زمین لپٹ رہی تھی۔موریا گھبرا گئی۔ میں نے اسے آنکھیں بند کرنے کا کہا۔ہم سانبھر کی پشت پر سوار بہت جلد جوبی پہاڑ کی چوٹی پر اپنی رہائش گاہ کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔منزل قریب تھی۔

خیال وارد ہوا کہ مکانیت کی بساط ازل اور ابد کے درمیان محض ایک وقفہ ہے جس کا ادراک فرد کی ذہنی مرکزیت سے جڑا ہوا ہے۔ہم مرکزی دروازے پر پہنچے تو میری ہدایت پر موریا نے آنکھیں کھول لیں۔ رات کی تاریکی میں حشرات کا شور عروج پر تھا۔

میں جس طرح موریا کو دندان سے چھڑا کر لائی تھی وہ سلطنت کشان کی اہم ستون لچھاوی کے خلاف اعلان جنگ تھا لیکن ایسا کرنا ناگزیر تھا ورنہ آج رات وہ موریا کو ہلاک کر دیتے۔

سانبھر جھونپڑی کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔ میں نے موریا کو سہارا دے کر اتارا۔ جھونپڑی کا دروازہ کھول کر گھنٹے کی رسی کھینچی۔آیوشی اور بھرگوی سلابھا کے ہمراہ بے تابی سے ہماری طرف آئیں۔ وہ ہماری منتظر تھیں۔میرے سامنے جذباتی منظر تھا۔ ماں بیٹی کا لپٹنا اور رونا! دل بھر آیا۔آیوشی اور بھرگوی نے چادر کے پلو سے اپنے آنسو صاف کیے۔

مجھے ایک بار انجانی آواز سنائی دی،

''جذبات قابو میں رکھو، تم عام نہیں ہو۔مضبوط بنو۔ ابھی بہت کچھ دیکھنا ہے۔''

میں نے خود کو سنبھالا اور کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

شدید تھکن کے باعث آرام کرنا چاہتی تھی۔ دسترخوان لگانے کا کہہ کر منہ ہاتھ دھونے کے لئے غسل خانے کا رخ کیا۔ واپس آئی تو کھانا سلیقے سے دسترخوان کی زینت بننے کے آخری مراحل میں تھا۔ سب نے کھانا ساتھ کھایا۔ سلا بھا بار بار ماں کا چہرہ دیکھتی اور اس کے قریب ہو جاتی۔ موریا جس اندوہ ناک حادثے کا شکار ہوئی تھی، کیفیت حالت سے عیاں تھی۔ آیوشی اور بھرگوی نے ان کے رہنے کا بندوبست فی الحال اپنے ساتھ والے کمرے میں کیا۔

ہم آنے والے حالات کے پیش نظر خدشات کا شکار اور لچھاوی کی طرف سے ردعمل کے منتظر تھے۔ دو تین روز خاموشی سے گزر گئے۔ اس دوران گاؤں کے ایک فرد کے ذریعے پتہ چلا کہ بادشاہ کے بیٹے جے ونت کی حالت بہتر ہے۔ وہ صحت یاب ہو رہا ہے۔ بادشاہ علاج سے خوش اور مطمئن ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ لچھاوی خاموش تھی۔ آیوشی کے مطابق یہ خاموشی بلاسبب نہیں تھی، دندان جیسے شخص کی موجودگی میں ہرگز نہیں! لہٰذا ہماری طرف سے معمولی غفلت نقصان دہ تھی۔

ذہن بزرگ ماں کے معاملے میں الجھا ہوا تھا۔ وہ کون تھیں—؟ ان کے بارے میں سوچتے ہوئے سونے کے لئے لیٹی، بادشاہ کنڈل کا محل آنکھوں کے سامنے منظر بن گیا۔

دربار شاہی کے مخصوص کمرے میں موجود بستر پر دراز بے سدھ جے ونت کی آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد آج اس نے خود کروٹ لی تھی۔ بزرگ ماں ماہر طبیب کی طرح اعتماد سے جے ونت کا علاج کر رہی تھیں۔ چند روز میں صحت میں بہتری کے آثار واضح ہونے لگے۔

شہزادے کی رگوں میں خون زہریلا ہو گیا تھا۔ خون کی تبدیلی ضروری تھی۔ یہ خطرناک اور تکلیف دہ مرحلہ تھا۔ بادشاہ سے اس کی اجازت ملنا اس بات پر منحصر تھا کہ اسے بزرگ ماں پر کتنا بھروسا ہے۔

بزرگ ماں نے نہایت سمجھداری سے پہلے پہل اصل علاج سے گریز کرتے ہوئے توجہ علاج کے اس رخ پر مرکوز رکھی جس سے بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ وہی اس کا علاج کر سکتی ہیں۔ وہ شاہی طبیبوں سے مایوس ہو گیا تھا جو اپنی حکمت کی پٹاری میں موجود آخری نسخہ بھی آزما چکے تھے مگر خفت و ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آیا۔

لچھاوی بھی علاج میں ناکام رہی۔

ایسے میں بزرگ ماں کام آئیں اور لچھاوی جانتی تھی کہ وہ کون ہیں اس لئے خاموشی اختیار کی۔

پتھروں کے دور سے قریب زمانے سے تعلق رکھنے والی بزرگ ماں عقل و فہم اور حکمت و دانش کے اس خزانے سے سرفراز تھیں جو نیک ہستیوں کا خاصہ ہے۔ ان کا تعلق تزکیۂ نفس کے حامل لوگوں سے تھا۔

بزرگ ماں انسان دوست اور لوگوں کی مدد کرنے کی وجہ سے سب کے لئے قابل احترام تھیں۔

سالوں پہلے کا ذکر ہے لچھاوی پر راز کھلا کہ کشان سلطنت کے در و بام پر زلزلہ آنے والا ہے۔ وجہ ایک بچی ہے۔ بچی کی ماں کو اس نے بادشاہ کنڈل کے کہنے پر اغوا کیا اور اپنے تئیں بچی کو مار دیا۔

قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ لچھاوی اور اس کے شوہر نے کام پورا کر کے بادشاہ کو خبر دی کہ بچی کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ بادشاہ اور مصاحبین مطمئن ہو گئے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد لچھاوی کو معلوم ہوا کہ بچی زندہ ہے مگر اب اس کی پہنچ سے دور ہے۔

لچھاوی بے بس تھی لیکن اس بات کا اظہار کسی سے نہیں کر سکتی تھی۔ بات کھلنے پر سب سے پہلے بادشاہ دونوں میاں بیوی کی گردن اڑا دیتا۔ وہ بچی کون تھی—؟

آج وہی بچی بزرگ ماں کے روپ میں بادشاہ کنڈل کے دربار میں موجود شہزادے کا علاج کر رہی تھی۔ اسے قتل کرنے کی کوشش کرنے والا، اس کے سامنے بے بس بیٹھا تھا۔ بزرگ ماں نے شہزادے کے جسم سے زہریلے خون کے اخراج کی بات کرتے ہوئے بادشاہ کنڈل پر واضح کیا کہ یہی شہزادے کا علاج ہے۔

بادشاہ جو بیٹے کی حالت میں بہتری دیکھ کر خوش تھا، تشویش کا شکار ہو گیا اور بے چینی سے پیچھے کھڑے شاہی طبیب کی طرف دیکھا۔

بوڑھا شاہی طبیب لمبی ناک اور چمک دار چھوٹی آنکھوں کو سکیڑتے ہوئے نشست سے کھڑا ہوا اور چھوٹے قدم لیتے ہوئے بزرگ ماں کی طرف آیا۔

خون کی صفائی کے کئی طریقے بتائے لیکن وہ مطمئن نہیں ہوئیں۔ بادشاہ دونوں کا مکالمہ سن رہا تھا۔

شاہی طبیب بزرگ ماں کی طب سے متعلق معلومات اور مہارت سے متاثر تھا۔ اپنے تئیں کوشش کر رہا تھا کہ شہزادے کو کم سے کم تکلیف ہو۔ بادشاہ کے چہرے پر پھیلی بے یقینی بھی دور ہونے لگی۔ بالآخر طبیب نے بادشاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کندھے اچکائے اور کچھ توقف سے بولا، میں حیران کن عمل ہوتے دیکھ رہا ہوں۔

اب بادشاہ کے پاس انکار کی گنجائش نہیں تھی۔

بزرگ ماں نے اشارہ ملتے ہی شاہی جرّاح کو بلوایا۔ ہدایت کی کہ ہدہد کی کھوکھلی ہڈیوں سے بنی سوئیاں اور دیگر ضروری آلات ساتھ لائے۔

بادشاہ کمرے میں موجود علاج کی کارروائی دیکھنا چاہتا تھا۔ شاہی طبیب سمجھ دار تھا، بادشاہ کو سمجھا کر وہاں سے لے گیا کہ آپ کی موجودگی بیٹے کے علاج پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ سب نے طبیب کی تائید کی۔

بادشاہ کنڈل چار و ناچار کمرے سے باہر آ گیا۔

تھوڑی دیر میں انتظامات مکمل کر لئے گئے۔ شاہی طبیب، جرّاح اور دوسرے معاونین کی موجودگی میں بزرگ ماں نے خدائے لم یزل کے حضور دعا کی کہ اے اللہ! زندگی اور موت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میرا کام کوشش ہے، شفا آپ کے ہاتھ میں ہے۔

دعا کرنے کے بعد علاج شروع کیا۔ (قسط: ۹)

ادارہ

اولی الالباب بچے

اللہ تعالیٰ چھپا ہوا خزانہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مخلوق مجھے پہچانے تو محبت سے مخلوق کو تخلیق کیا اور کائنات بنائی۔ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے واقف ہونے کی نشانیاں ہیں۔ جو چھوٹے اور بڑے بچے غور و فکر کرتے ہیں وہ اولی الالباب (عقل و دانش والے) کہلاتے ہیں۔ بچو! ذہن استعمال کریں، سوچیں اور جو جواب ذہن میں آئے، ہمیں بھیج دیں۔ ہمارا پتہ ہے: بچوں کا قلندر شعور، عظیمی محلّہ، سرجانی ٹاؤن، کراچی۔

ننھے دوستو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

جنوری 2020ء کے ''اولی الالباب بچے'' میں سوال کیا گیا تھا کہ چوزہ مرنے کے بعد حرکت کیوں نہیں کرتا۔ جو خطوط موصول ہوئے ان میں تحریر تھا کہ جسم میں حرکت روح کی وجہ سے ہے۔

س (۱): بتایئے کیا آپ نے روح دیکھی ہے ــــ؟ جب کہ روح آپ کے اندر ہے۔

بچو! کبھی دیسی گھی میں شہد ڈال کر مکئی کی روٹی کے ساتھ کھایا ہے ــــ؟ نہیں کھایا تو کیسے بتا سکتے ہیں کہ گھی کا ذائقہ کیسا ہے، خوش بو کیسی ہے ــــ؟ شہد نمکین ہے یا میٹھا ــــ؟ مکئی کی روٹی کیسی ہے ــــ؟ شہد چکھے بغیر شہد کا ذائقہ اور فوائد نہیں بتا سکتے۔ اسی طرح روح کو دیکھے بغیر روح کا علم حاصل نہیں ہوتا۔

س (۲): جب آپ نے ہاتھ بڑھا کر پانی پینے کے لئے گلاس اٹھایا تو ہاتھ خود آگے بڑھا ــــ یا ــــ روح نے ہاتھ کو گلاس کی طرف بڑھایا ــــ؟ کھیلتے ہوئے پیر خود اٹھے یا روح نے پیروں کو حرکت دی ــــ؟

رات کو سونے سے پہلے گیارہ (11) مرتبہ درود شریف اور گیارہ (11) مرتبہ یا حی یا قیوم پڑھیں اور آنکھیں بند کر کے اللہ سے دعا کریں کہ یا اللہ! روح سے واقف ہونے میں ہماری مدد فرما۔

''ماہنامہ قلندر شعور'' کو 20 مارچ سے پہلے جواب ارسال کر دیں۔

****

جنوری 2020ء میں بچوں سے سوال کیا گیا تھا کہ ہاتھ حرکت کرنے سے آستین ہلتی ہے، آستین میں حرکت کہاں سے آئی؟ چوزہ حادثے کا شکار ہوا اور مر گیا۔ چوزے میں حرکت کیوں نہیں ہے؟

- بشریٰ ضیا (کراچی): ہم اسکول میں اسکول کے کپڑے پہنتے ہیں، شادی کے کپڑے پہنیں گے تو اسکول سے باہر ہوں گے۔ یعنی جہاں جاتے ہیں اس قسم کا لباس پہنتے ہیں۔ اس دنیا میں روح کا لباس جسم ہے۔ جسم مٹی سے بنا ہے اور روح اللہ کا نور ہے۔
- جویریہ شوکت (لاہور): حرکت اللہ میاں کے حکم سے آتی ہے۔ روح اللہ میاں کا حکم ہے۔
- احمد محی الدین (میانوالی): جب ہم کپڑے بدلتے ہیں تو دوسرے کپڑے پہن لیتے ہیں۔ یعنی لباس بدلتا ہے، روح تبدیل نہیں ہوتی۔
- انوشہ عامر (کراچی): چوزے کا وقت پورا ہو گیا تھا جیسے آدمی کا وقت پورا ہو جاتا ہے یعنی روح نکل جاتی ہے۔ کپڑے، رسی، پین خود حرکت نہیں کرتے، ہم ان سے حرکت کرواتے ہیں۔
- بیٹا! یہ بتایئے کہ آپ کون ہیں ــــ؟ آپ کے اندر حرکت کہاں سے آتی ہے؟
- شمائم (کراچی): گھڑی میں سوئی موجود ہے لیکن سیل نہ ہو، گھڑی رک جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارا جسم روح کے بغیر بے کار ہے۔ چوزہ بے حرکت اس لئے ہے کہ غیب سے ظاہر ہوا اور غیب میں غائب ہو گیا۔
- سدرہ ہاشم (ملتان): ہمارا چوزہ مرا تو اماں نے بتایا کہ چوزے میں روح اللہ میاں کے پاس چلی گئی۔
- فہمیدہ (کراچی): روح کی وجہ سے جسم حرکت کرتا ہے اور جسم کی وجہ سے کپڑے حرکت کرتے ہیں۔ جس چوزے کے جسم سے روح نکل گئی، اس میں حرکت رک گئی۔ باقی چوزوں کے جسم میں روح تھی۔
- ہاجرہ احمد نواز (اٹک): حرکت روح کے تابع ہے اور تمام کائنات میں ایک روح کام کر رہی ہے۔
- روشنی بیگ (کراچی): آدمی پیدا ہوتا ہے تو پہننے کے لئے گوشت پوست کا لباس ملتا ہے۔ جب وہ مر جاتا ہے تو گوشت پوست کا لباس ختم ہو جاتا ہے۔
- احمد (کراچی): دادا ابو کہتے ہیں کہ جیسے ریشمی لباس ہوتا ہے، چوزہ بھی خوب صورت ملائم لباس ہے۔

****

ملکۂ پرستان

بادشاہ کی تخت نشینی کا دن تھا۔لوگ جوق در جوق جمع ہو رہے تھے، سلطنت میں دھوم دھام سے جلوس نکل رہے تھے۔ ہجوم میں ایک لڑکا صمصام تھا۔شان وشوکت دیکھ کر دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش میں بادشاہ ہوتا۔

خواہش نے شدت اختیار کی یہاں تک کہ حرص کے درجے تک پہنچ گئی۔ وہ دن رات اسی ادھیڑ بن میں رہتا۔ کسی طرح چین نہ ملتا۔ دھن سمائی تھی کہ کسی طرح بادشاہ بن جاؤں۔

صمصام کی عمر دس سال تھی۔ پڑھنا لکھنا سیکھ رہا تھا۔اس نے پڑھائی کے دوران جتنے تاریخی قصے اور بادشاہوں کے واقعات پڑھے تھے، ان سے ذہن میں ترکیب آئی کہ بادشاہ بننے کے لئے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا کر بغاوت پر آمادہ کیا جائے۔

دس برس کا بچہ کس کو ہم خیال بنا سکتا تھا—؟

سوائے اس کے کہ جس مکتب میں پڑھتا تھا وہاں سے آغاز کرے۔ چناں چہ ہم جماعت طلبا کو قائل کرنے کی کوشش کی، انہوں نے خوب مذاق اڑایا اور نام صمصام سے صمصام شاہ رکھ دیا۔

رویے سے تکلیف پہنچی لیکن بادشاہ بننے کا خیال دل میں رہا۔خیال میں گم وہ سوچتا تھا کہ کاش قصے کہانیوں میں جنات اور پریوں کا ذکر سچ ہوتا۔ کوئی پری آتی اور مجھے دہلی کا بادشاہ بنا دیتی۔

خیالی پلاؤ پکانے کا سلسلہ جاری رہا۔

ایک روز کھیت میں آم کے پیڑ کے نیچے لیٹا تھا۔ توجہ گہری ہوئی اور خیال پر قائم ہوگئی۔ ذہن پر دباؤ بڑھنے سے پلکیں بوجھل ہوئیں اور وہ نیند کی وادی میں داخل ہوگیا۔

دیکھا—چودھویں کے چاند سے آسمانی فضا روشن ہے۔ پھر کھیت میں سے آوازیں سنائی دیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ جھینگروں کی محفل ہے۔ کثیر تعداد میں جگنو اڑتے نظر آئے۔اس قدر جگنو کہاں سے آگئے—؟ چمک دمک سے آنکھیں چندھیا گئیں۔

صمصام جگنوؤں کو دیکھنے کی کوشش میں مگن تھا کہ چھم چھم آواز آئی۔ آس پاس نظر دوڑائی، محسوس ہوا

ببول کے درخت پر کوئی ہے۔

تھوڑی دیر بعد نظروں کے سامنے عجب منظر آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ قطار در قطار پریاں زمین کے قریب آ گئی ہیں۔ قطاروں کے درمیان لعل و جواہر سے سجا تخت تھا جس پر ملکہ بیٹھی تھی۔ بے حد خوشی ہوئی کہ آج مراد پوری ہو جائے گی، پریوں کی ملکہ سے جو مانگوں گا، مل جائے گا۔

وہ پیڑ کی اوٹ میں چھپا، سواری اترنے کا منتظر تھا۔ شاہی دستے کے قدم زمین پر لگتے ہی دھڑکن تیز ہوگئی۔ دستہ پیڑ کے نزدیک آیا اور رک گیا۔

ملکہ نے پکارا، صمصام! جس کی آرزو تھی، اسے دیکھ رہے ہو مگر سامنے نہیں آتے۔

پریاں زرق برق لباس پہنے جلوس کی شان و شوکت دوبالا کر رہی تھیں۔ شاہی دستہ ٹھہر گیا!

صمصام جھک کر آداب شاہی بجالایا۔

ملکۂ پرستان بولی، معلوم ہوا ہے تمہاری کوئی خواہش ہے۔

صمصام پر ملکہ کا رعب طاری تھا۔ تھوڑی دیر خاموشی کے بعد عرض کیا، ملکہ عالیہ، ملکۂ پرستان! ایک خیال کے سوا دماغ میں دوسرا خیال نہیں۔

ملکہ نے دریافت کیا، کیا چاہتے ہو؟

صمصام بولا، بادشاہ بننا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مدد کر سکتی ہیں؟ ملکہ نے ہاں میں سر ہلایا۔

صمصام نے بتایا کہ وہ بادشاہ کو تخت سے ہٹانے کے لئے بغاوت پھیلانا چاہتا ہے۔

ملکہ بے ساختہ ہنس دی۔

بیٹا! ہم لوگوں کو بغاوت نہیں سکھاتے، ہمارا کام امن و امان قائم کرنا ہے۔

کیا میں بغاوت کے بغیر بادشاہ بن سکتا ہوں؟ کہانیوں میں پڑھا ہے کہ ملکوں کے بادشاہ تخت اپنی خوشی سے نہیں چھوڑتے۔

ملکہ پری بولی، پھر تو تم بھی بادشاہ بن کر یہی کرو گے اور تمہارے ساتھ وہی ہوگا جو تم دوسروں کے ساتھ کرنا چاہتے ہو۔ وہ سوچ میں گم ہو گیا۔

ملکۂ پرستان نے سمجھایا، بغاوت کی کیا ضرورت ہے، چند دشمنوں کو زیر کر کے بادشاہ بن سکتے ہو۔

میرے دشمن کون ہیں؟ میں سب سے جنگ کے لئے تیار ہوں۔

ملکہ پری بچے کی ہمت دیکھ کر مسکرائی۔ ہاتھ میں سنہری عصا تھا، زمین پر مارا۔ زمین شق ہوئی اور لرز کر ساکت ہوگئی۔ بچو! شق کے معنی کھلنا ہیں۔ زمین میں سے صمصام کے قد کے برابر چار لڑکے

نکلے۔ وہ حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

ملکہ پری نے کہا، تمہیں ان چاروں سے کشتی لڑنا ہوگی۔ اگر غالب آ گئے تو بادشاہ بن جاؤ گے۔

ایک لڑکا ملکہ کے اشارے پر آگے بڑھا اور پوچھا، تمہیں کیا بات بری لگتی ہے؟

وہ بولا، ہم جماعت میرا مذاق اڑاتے ہیں۔

لڑکے نے کہا، ذرا سی بات پر بگڑتے ہو، بدمزاج معلوم ہوتے ہو۔ غور سے دیکھو، میں تمہارا آئینہ ہوں۔ مجھے ہراؤ پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔

یہ کہہ کر حملہ کر دیا۔

صمصام نے خود کو بچانے کی کوشش کی۔ لڑکا زور آور تھا مگر صمصام نے ہمت نہیں ہاری اور خوب مقابلہ کیا۔ بالآخر ایک گھنٹے کی لڑائی کے بعد مقابل کو چاروں شانے چت کر دیا۔

پریاں اسے اٹھا کر لے گئیں۔

صمصام نے خوشی سے سینہ پھلا کر داد وصول کرنے کے لئے پریوں کی صفوں پر نگاہ ڈالی۔

دوسرا لڑکا میدان میں آیا۔

ایک کو ہرانے کے بعد صمصام کا حوصلہ بلند تھا۔

وہ شیخی بگھارتا ہوا آگے بڑھا۔

بچو! شیخی کا انجام برا ہوتا ہے۔

مقابل سمجھ گیا کہ صمصام کو اپنی تعریف پسند ہے۔

اس نے اسے پہلے وار میں بے بس کر دیا۔

صمصام کو احساس ہوا کہ غرور کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا، معافی مانگنی چاہئے۔ جس لڑکے سے میں مقابلہ کر رہا ہوں، یہ بھی میرا آئینہ ہے۔ اللہ کا نام لے کر مقابلہ کیا اور جیت گیا۔ اس بار ذہن میں بات آئی کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔

پریاں دوسرے لڑکے کو لے گئیں۔

صمصام نے پہلے حریف کو ہرا کر پریوں کے جھرمٹ کی طرف فاتحانہ نظر سے دیکھا تھا۔ دوسری بار ایسا نہیں کیا۔ خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا اور قریب کھڑی پری سے بولا، پیاس لگی ہے۔

پری نے آنکھیں بند کر کے دعا کی۔ پلک جھپکنے سے پہلے پری کے ہاتھ میں بلور کا خوب صورت پیالہ تھا۔ جی بھر کر پانی پیا۔ حیرت کی بات تھی کہ پینے کے باوجود پیالے میں پانی کم نہیں ہوا۔

صمصام تازہ دم ہوا۔ ملکہ نے اعلان کیا، اگلی لڑائی گرز (ہتھیار) سے ہوگی۔

تیسرا شخص سامنے آیا۔

دونوں کو گرز دیئے گئے۔ گرز دل کی شکل کا تھا۔

پوچھا، تمہیں کیا پسند ہے؟

صمصام بولا، اپنی خواہشات۔

مقابل نے قہقہہ لگایا اور لڑائی شروع ہوئی۔ ایک دوسرے پر کئی وار کیے، دونوں بچ گئے۔

صمصام خواہشات کا پجاری تھا۔ لڑتے لڑتے تھک گیا۔ مخالف بھی ہانپنے لگا۔ دل میں خیال آیا کہ خواہشات آدمی کو تھکا دیتی ہیں۔ خواہش ایسی ہو کہ جسم بے شک تھک جائے مگر روح سرشار رہے۔

بچو! جس خواہش سے روح سرشار ہوتی ہے وہ اللہ سے محبت، اللہ کا قرب ہے۔

وہ تیسرا مقابلہ بھی جیت گیا۔

ملکہ پری بولی، ایک دشمن باقی ہے۔

پرعزم لہجے میں کہا، میں تیار ہوں۔

چوتھا دشمن سامنے آیا۔ ملکہ نے تین بار تالی بجائی اور دونوں کے ہاتھوں میں تلوار آ گئی۔

صمصام کو تلوار چلانا نہیں آتی تھی۔ خود کو بچاتا رہا، جسم پر زخم آئے۔ جواب میں صمصام کی ضرب سے چوتھا شخص غائب ہو گیا۔

پوچھا، یہ کہاں گیا—؟ پریاں مسکرا دیں۔

صمصام تھک گیا تھا۔ مشروب پلایا گیا۔

حواس بحال ہونے پر ملکہ پری سے پوچھا، کیا میں بادشاہ بن گیا ہوں؟

ملکہ پری نے کہا، تم نے خود کو فتح کر لیا ہے۔ اب تمہاری حیثیت بادشاہ سے کم نہیں۔

بات صمصام کی سمجھ میں نہیں آئی۔

ملکہ نے پوچھا، کیا جاننا چاہتے ہو تم نے کسے شکست دی ہے—؟

چاروں لڑکے سر جھکائے سامنے آ گئے۔

ملکہ پری نے پہلے لڑکے کو ہاتھ لگایا، اس کا جسم ذرّہ ذرّہ بکھر گیا۔ صمصام سے کہا، معلوم ہے یہ کون تھا—؟ تمہارے غصے اور بدمزاجی کا عکس! بات بات پر بگڑنا اور لڑنا تمہاری عادت تھی لیکن اب تم نے اس عادت کو شکست دے دی ہے اس لئے نرم دل اور خوش مزاج بن گئے ہو۔ چھوٹی بڑی باتوں کو درگزر کرو گے۔

پھر ملکہ نے دوسرے شخص کی طرف پھونک ماری، وہ بھی پہلے کی طرح مٹی بن کر اڑ گیا۔ بیٹا! یہ تمہاری شیخی بگھارنے کی عادت تھی۔ ذرا سا کام کر کے تم اتراتے تھے جیسے وہ کام تم نے اپنی طاقت سے کیا ہے۔ اب تم جان گئے ہو کہ جب تک اللہ ہمت نہ دے، تم کچھ نہیں کر سکتے۔

تیسرا شخص سامنے آیا۔ ملکہ نے بتایا، یہ تمہاری خود غرضی تھی۔ اپنی غرض کے لئے سلطنت میں بغاوت پیدا کرنا چاہتے تھے، سوچے بغیر کہ نتائج کیا ہو سکتے ہیں۔ اب یہ بری عادت تم سے دور ہو گئی ہے۔

صمصام حیرت کی تصویر بنا ہوا تھا۔

ملکہ نے چوتھے فرد کی طرف اشارہ کیا۔

وہ اٹھ کر بھاگا اور غائب ہو گیا۔

صمصام نے پوچھا، یہ کون تھا؟

ملکۂ پرستان بولی، شیطان تھا۔ اللہ کی مدد سے تم نے اسے کم زور کر کے مات دے دی ہے لیکن یہ ایسا دشمن ہے جس سے ہمیشہ ہوشیار رہنا۔ روپ بدل کر آتا ہے۔ کبھی حسد کے جذبات لے کر اور کبھی شک، وسوسہ اور غصہ بن کر۔ اس کا ایک ہی مقصد ہے کہ ہم اللہ سے دور ہو جائیں۔ اگر تم ثابت قدم رہے تو یہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ملکۂ پرستان نے کہا، غور سے سنو۔

''بادشاہ ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں۔ اللہ کی زمین پر بادشاہ وہ ہے جو جذبات قابو میں رکھے اور محبت و خدمت جیسے اعلیٰ اوصاف سے خود کو آراستہ کر لے۔ اے صمصام! جو بندہ منفی جذبات سے دل کو پاک کرتا ہے، ہر دل عزیز ہو جاتا ہے۔ اصل بادشاہت یہ ہے کہ آدمی اللہ کا بندہ بن جائے۔ اللہ کے حکم سے کائنات کی تمام مخلوقات اس کے آگے جھک جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سماوات اور ارض اور جو کچھ ان میں ہے، سب تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔''

ملکہ نے ہیروں سے بنا ہوا تاج صمصام کے سر پر رکھا اور کہا، بادشاہت مبارک ہو!

تاج کا وزن محسوس ہونے سے آنکھ کھل گئی۔

بے زبان چڑیا

رنگ رنگ پھولوں سے سجے ہرے بھرے گاؤں میں بوڑھے میاں بیوی رہتے تھے۔ بوڑھا رحم دل اور محنتی تھا۔ بیوی دن بھر گھر کے کام کرتی لیکن بد مزاج تھی۔ ہر وقت پریشان رہتی اور دوسروں کو پریشان کرتی تھی۔ مزاج کے خلاف بات پر پورا دن بڑبڑاتی۔ شوہر نے بدمزاجی پر صبر کر کے خاموشی اختیار کر لی۔ وہ جنگل میں لکڑیاں کاٹ کر باقی دن کھیت میں گزارتا تھا۔ بچے نہیں تھے، دل بہلانے کے لئے ننھی چڑیا پالی تھی۔ تھکن سے چُور گھر لوٹتا تو چڑیا اس کے گرد گول گول چکر لگاتی، کندھے پر بیٹھ جاتی، چوں چوں چہچہاتی اور کھیلنے کی فرمائش کرتی تھی۔ وہ چڑیا کا خیال رکھتا، میٹھی میٹھی باتیں کرتا اور اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتا تھا۔

ایک صبح بوڑھا آدمی حسب معمول لکڑیاں کاٹنے نکلا، بیوی گھر کے کام کاج میں مصروف ہوگئی۔ صفائی کی اور کپڑے دھوئے۔ ایک روز پہلے چاول ابال کر اس کا پانی (نشاستہ) الگ کر کے پیالے میں رکھا تھا کہ کپڑوں کو کلف دے گی۔ پیالہ دیکھا تو خالی تھا۔ ماتھے پر بل آ گئے۔

چڑیا پر پھڑ پھڑاتی ہوئی نیچے اتری اور چہچہاتے ہوئے بولی، بڑی بی! پیالہ میں نے خالی کیا ہے۔ باہر رکھا ہوا تھا، میں سمجھی بڑے میاں نے کھانا رکھا ہے۔ معافی چاہتی ہوں — چوں چوں چوں۔

دوستو! چڑیا ایمان دار تھی۔ اس نے سچ بولا۔ سچ بولنے پر بڑی بی کو اسے معاف کر دینا چاہئے تھا لیکن چڑیا انہیں پہلے دن سے ناپسند تھی۔

بڑی بی نے معصوم چڑیا کو ڈانٹا۔

چڑیا نے چپ چاپ سر جھکائے ڈانٹ سنی مگر بڑی بی کا غصہ کم نہیں ہوا۔ طیش میں آ کر بے رحمی سے زبان کاٹ دی پھر گھر سے نکالتے ہوئے کہا، دوبارہ شکل مت دکھانا!

بڑی بی نے ذرّہ برابر چڑیا کی تکلیف کی پروا نہیں کی۔ نہ یہ سوچا کہ زخمی حالت میں کہاں جائے گی۔

بڑے میاں گھر لوٹے تو گھر میں خاموشی اور خاموشی میں بے چینی تھی۔ جب وہ گھر میں داخل ہوتے تھے، چڑیا کے چہچہانے سے رونق ہو جاتی۔

وہ کندھے پر بیٹھتی اور چوں چوں کرتی تھی لیکن آج چڑیا نظر آئی نہ آس پاس آواز تھی۔

بیوی سے پوچھا، چڑیا کہاں ہے؟

بڑی بی نے کہا، مجھے کیا پتہ۔ آج نظر نہیں آئی۔ احسان فراموش ہے، چھوڑ کر چلی گئی ہوگی۔

بڑے میاں کا دل نہیں مانا۔

سچ بتاؤ! میری چڑیا کہاں ہے؟ کہیں تم نے اسے تکلیف تو نہیں پہنچائی؟

وہ زچ ہوکر بولیں، وہ اسی قابل تھی۔ اجازت کے بغیر نشاستہ پی لیا، میں نے زبان کاٹ دی اور گھر سے نکال دیا۔ میرے گھر میں چوروں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ وہ آئندہ اس گھر کا رخ نہیں کرے گی، اسے بھول جاؤ!

بڑے میاں کو صدمہ پہنچا۔ چڑیا کی تکلیف پر آنکھیں پانی ہوگئیں۔ کچھ کہنا چاہا مگر آواز حلق میں رہ گئی اور وہ وہیں بیٹھ گئے۔

شوہر کو افسردہ دیکھ کر لاپروائی سے کہا، چڑیا کے غم میں کیا رونا، چھوڑو اسے۔ آؤ کھانا کھالو۔

تاسف سے بیوی کو دیکھا، کوئی اتنا ظالم کیسے ہوسکتا ہے—؟ بھوک اڑ گئی۔ ذہن پر چڑیا سوار تھی کہ کس حال میں ہوگی۔ کاش میں گھر پر ہوتا!

شام رات میں ڈھل رہی تھی۔

چڑیا کو تلاش کرنے کا فیصلہ کیا۔

بڑے میاں صبح سورج نکلنے سے پہلے تلاش میں نکلے۔ پتہ نہیں تھا جانا کہاں ہے، دیوانہ وار چلتے گئے، اس یقین سے کہ اللہ کی مدد ساتھ ہے۔

جہاں جہاں بانس کے درخت نظر آئے، بے چینی سے پکارتے، کہاں ہو میری پیاری چڑیا کہاں ہو؟

صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہوگئی مگر چڑیا کو تلاش کرنے کے جنون میں بھوک اور تھکاوٹ کا احساس نہیں ہوا۔ دھوپ کی تمازت کم ہونے لگی۔

سامنے بانس کے درختوں کا جنگل تھا۔

بانس کے درخت چڑیوں کے رہنے کی پسندیدہ جگہ ہے۔ ہر درخت پر گھونسلے تھے۔ شاخوں پر چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ ہر چڑیا میں اپنی چڑیا نظر آتی اور قریب جانے پر اداسی چھا جاتی۔ ایک درخت کے قریب پہنچ کر آنکھوں پر یقین نہیں آیا— ایک چڑیا بے صبری سے پھدکتے ہوئے شاخ پر شاخ بدل رہی تھی۔ بڑے میاں نے آواز دی، وہ تیزی سے نیچے آئی، انہوں نے ہتھیلی کھولی اور چڑیا بیٹھ گئی۔ یہ ان کی چڑیا تھی۔ حیرت ہوئی کہ زبان کٹنے

کے باوجود باتیں کیسے کر رہی ہے۔

میں نے سنا تھا تمہاری زبان کٹ گئی ہے۔

چڑیا بولی، اللہ نے دوبارہ دے دی۔

اس سے پہلے کہ وہ معافی مانگتے، چڑیا بولی، جو ہوا، سو ہوا۔ پرانی باتیں دہرانے سے کیا فائدہ!

چڑیا انہیں اپنے گھر لے گئی جو درختوں کے جھنڈ کے درمیان واقع تھا۔ حیرت ہوئی کہ چھوٹی چڑیا گھونسلے کے بجائے محل میں رہتی ہے۔ سمجھ گئے کہ یہ عام نہیں، خاص ہے۔ محل کی دیواریں سفید لکڑیوں سے بنی ہوئی تھیں۔ فرش مخملیں قالین تھا۔ قدم رکھتے ہی پیر دھنس جاتا۔ گاؤ تکیوں پر نفیس کڑھائی کی گئی تھی۔ ہر کمرا تازہ پھولوں سے مہک رہا تھا۔

چڑیا نے انہیں اپنے خاندان سے ملوایا۔ سب نے خوب تواضع کی۔ اندھیرا پھیلنے پر بڑے میاں کو گھر جانے کا خیال آیا۔ چڑیا چاہتی تھی کہ وہ کچھ دن ان کے پاس ٹھہریں مگر وہ راضی نہیں ہوئے۔

چڑیا نے تالی بجائی۔ دو ملازم آئے۔ اپنی زبان میں ہدایت دی۔ وہ گئے اور جب لوٹے تو صندوق اور صندوقچی ساتھ تھی۔ چڑیا بولی، جو تحفہ چاہیں، پسند کرلیں۔ بڑے میاں نے صندوقچی کا انتخاب کیا تاکہ اٹھانے میں آسانی ہو۔ چڑیا خوش ہوگئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا ''انسان دوست'' لالچی نہیں ہے۔

رات دیر سے گھر پہنچے۔ بڑی بی نے حال چال پوچھے بغیر سخت لہجے میں کہا، کہاں رہ گئے تھے؟ کندھے پر کیا ہے؟ لکڑیاں لینے گئے اور صندوقچی لے آئے۔ کیا اس سے چولہا جلے گا؟

بڑے میاں نے اطمینان سے صندوقچی اتاری اور بیگم کو شروع سے آخر تک کہانی سنائی۔

صندوقچی کھولی — آنکھیں کھلی رہ گئیں۔

اندر سونا، چاندی اور جواہرات تھے۔

ایک ایک کر کے جواہرات نکالے۔

فرش جواہرات سے قالین بن گیا۔

بڑے میاں خوشی سے نہال ہوگئے۔ میری چڑیا جانتی تھی مجھے کتنی محنت کرنا پڑتی ہے۔ دیکھو! کیسا تحفہ دیا ہے۔ بڑی بی کی آنکھیں جواہرات پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ بولیں، کتنے بے وقوف ہو، صندوقچی لے آئے۔ صندوق پر ہاتھ کیوں نہیں رکھا؟ بڑے میاں لالچ سے پاک، سادہ مزاج تھے۔

بولے، نیک بخت! شکر کیا کرو شکر! ہر بات میں خامی نکالتی ہو۔ جانتی ہو خامی نکالنے کا کیا مطلب ہے —؟ ہم سب آئینہ ہیں۔ تم دوسروں کے اندر

اپنی تصویر دیکھتی ہو اور جو نظر آتا ہے، کہہ دیتی ہو۔ اپنی خامیاں دور کرو پھر تمہیں کوئی برا نہیں لگے گا۔

بڑی بی نے بہت باتیں سنائیں، تمہارے جیسا بے وقوف آدمی میں نے نہیں دیکھا۔ شور مچاتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں۔ بڑے میاں تاسف سے بولے، کاش میں صندوق کا ذکر نہ کرتا!

صبح شوہر سے چڑیا کی رہائش پوچھی۔

انہوں نے سمجھایا کہ وہاں جانا مناسب نہیں لیکن وہ نہیں مانیں۔ کیا چڑیا کا سامنا کرلوگی—؟

کیوں نہیں—؟ وہ اتنے دن ہمارے گھر میں رہی، کھایا پیا۔ ہمارے اس پر احسانات ہیں۔

بڑے میاں نے سر پکڑ لیا۔

بہر صورت چڑیا کا پتہ بتانا پڑا۔

بڑی بی چڑیا کے گھر کی جانب چل دیں۔

وہاں پہنچ کر درخت کے نیچے کھڑے ہوئیں، روتے ہوئے زور زور سے پکارا، کہاں ہے میری چڑیا کا گھر، کہاں ہے میری چڑیا کا گھر—؟

درختوں کے درمیان محل نظر آیا۔ دروازے پر دستک دی، کیا یہ میری چڑیا کا گھر ہے؟ دروازہ کھولو میری پیاری چڑیا۔ دیکھو کون آیا ہے۔

چڑیا دل کی اچھی تھی، دروازہ کھول دیا۔ مہمان نوازی کی۔ ماتھے پر شکن نہیں آئی۔

بڑی بی نے ذرا لحاظ نہ کیا۔ ننھی چڑیا! بڑی دور سے آئی ہوں۔ سورج ڈھلنے سے پہلے گھر پہنچنا ہے۔ وہ صندوق دے دو جو میرا شوہر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

چڑیا نے بغیر تردّد کے صندوق منگوایا۔ چڑیا کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے جلدی جلدی صندوق اٹھایا اور گھر کی راہ لی۔ صندوق بھاری تھا۔ چلنا مشکل ہوگیا مگر وہ وزن سے خوش تھیں۔ راستے میں آرام کے لئے رکیں۔ خواہش ہوئی کہ ایک نظر اندر دیکھ لیں۔ بے صبری سے صندوق کھولا۔

اندھیرے میں چمک نظر آئی۔ وہ سمجھیں ہیرے ہیں۔ تھوڑی دیر میں ''ہیروں'' میں حرکت شروع ہوئی اور ایسی مخلوق باہر آئی کہ بڑی بی کے اوسان خطا ہوگئے۔ سانپ کے بعد سانپ پر سانپ نکلتے گئے اور سانپوں نے گھیرا ڈال لیا۔

وہ خوف سے بے ہوش ہوگئیں۔

بڑے میاں پریشان اور شرمندہ تھے کہ چڑیا کے خاندان والے کیا سوچیں گے ہم کیسے لوگ ہیں۔

اتنے میں ایک چڑیا چوں چوں کرتی آئی اور بتایا، بڑی بی راستے میں بے ہوش ہوگئی ہیں۔

وہ دوڑتے ہوئے چڑیا کے پیچھے گئے اور بیگم کو گھر لائے۔ وہ ہوش آنے پر چیخیں مارنے لگیں۔ ذہن پر ابھی تک سانپ سوار تھے۔ اطمینان ہوا کہ گھر پر ہیں تو روتے ہوئے شوہر سے کہا، دیکھو تمہاری اچھی چڑیا نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔

بڑے میاں بولے، دوسروں کو الزام دینا چھوڑ دو۔ بڑے صندوق کا انتخاب تمہارا فیصلہ تھا۔ بات بڑے چھوٹے کی نہیں، اندر موجود شے کی ہے۔ اللہ نے صندوقچی میں مجھے کیا کچھ نہیں دے دیا، اور تم صندوق ملنے کے باوجود خالی ہاتھ ہو۔ کیا تم نے چڑیا سے معافی مانگی؟ اپنے رویے پر شرمندگی ظاہر کی؟ موت کے منہ سے واپس آئی ہو۔ اللہ سے معافی مانگو۔ اللہ مہربان ہے، تمہیں سانپوں سے محفوظ رکھا۔ اللہ چاہتا ہے تم توبہ کرو اور آئندہ کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ چیخ پکار اور خامیاں نکالنے سے گھر میں برکت ختم ہوجاتی ہے۔ دیکھا نہیں، چڑیا ہمارے گھر سے چلی گئی—؟

اس دن کے بعد سے بڑی بی کا رویہ تبدیل ہوگیا۔ ایک ہفتے بعد چڑیا کے گھر گئیں، معافی مانگی اور ساتھ چلنے کو کہا۔ چڑیا نے معاف کردیا اور کہا، اپنا گھر چھوڑ کر نہیں جاسکتی— آتی جاتی رہوں گی۔

ایک بچے کی عادت تھی وہ پرندوں اور جانوروں کو پتھر مارتا تھا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ جانور اور پرندے ناراض ہیں اور آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ بچے نے آسمان کی طرف دیکھا، آواز آئی، کائنات سب کے لئے بنائی گئی ہے۔ پرندے، بلی، کتے اور دوسرے جانور تمہاری طرح مخلوق ہیں۔ جس طرح پتھر لگنے سے تمہیں تکلیف پہنچتی ہے، انہیں بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ جو بچہ ساری مخلوقات سے پیار کرتا ہے وہ اللہ کا دوست بن جاتا ہے۔ اس کے بعد بچے کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے توبہ کی کہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔ بچہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ آواز کس کی ہے—؟

جانور ہماری طرح مخلوق ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ سارے جانور جیسے ہاتھی، شیر، زرافہ، چیتا، خرگوش، ہرن وغیرہ سب اپنے بچوں کو پالتے ہیں، ان کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ شیر کے بچے چھوٹے ہوتے ہیں تو اماں شیرنی بھوکی رہ کر ان کی حفاظت کرتی ہے اور کچھار سے باہر نہیں آتی کہ کہیں شیر بھوک کی وجہ سے بچوں کو کھانہ لے۔ چھوٹے بچوں کی حفاظت کے دوران شیرنی سوکھ کر ڈھانچا بن جاتی ہے۔

(عبیرہ رضا۔ جماعت چہارم)

خواب تعبیر اور مشورہ

بیٹی

نام شائع نہ کریں، منظور کالونی۔ گھر کے بالائی حصے سے سیاہ خوف ناک کتا سیڑھیوں سے اترتا ہے۔ میں ساس کے کمرے کے دروازے پر کھڑی ہوں، بیٹی گود میں ہے۔ بیٹی گر گئی تو ساس سے کہا، بچی کو لے کر کمرے میں چلی جائیں مگر وہ سنی ان سنی کر دیتی ہیں۔ کتا قریب آ کر سونگھتا ہے۔ خیال آیا کہ صم" بکم" عمی" پڑھوں۔

تعبیر: کوئی بیماری آپ کو متاثر کر رہی ہے۔ کھانوں میں پرہیز اور روزانہ ایک گھنٹا ٹہلنے سے اگر کوئی شکایت ہے تو ختم ہو جائے گی۔ بچی کے لئے حسبِ استطاعت صدقہ کر دیں۔ انشاء اللہ ــــ آپ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے محبوب کی حفاظت میں ہیں۔

نماز کا تقاضا

ع، ق، شیر شاہ۔ گھر والے کسی مقبرے میں گئے۔ بھانجی نے اپنے اور میرے جوتے یہ کہتے ہوئے اٹھائے کہ ٹوٹ گئے ہیں حالاں کہ جوتے سالم تھے۔ دیکھا کہ تین ثابت انڈے بائیں طرف رکھے ہیں اور چوتھے میں سے رطوبت خارج ہو رہی ہے۔ منظر تبدیل ہوا، کوئی شخص قبلے کی طرف راہ نمائی کر کے غائب ہو گیا۔ میں نے نماز پڑھی۔ خود کو گھر میں اوپر کی منزل پر کپڑے بچھاتے ہوئے دیکھا۔ آندھی اور تیز بارش ہوئی۔ منظر بدلا اور ڈاکٹر نے بیٹے کو کلورو فارم کی زیادہ مقدار دے دی جس سے میں پریشان ہو گئی۔ اسپتال سے گھر کے راستے میں ایک دکان پر دوپٹا پسند آیا۔ دکان دار نے بتایا کہ یہ فروخت کے لئے نہیں ہے۔

تعبیر: لاپروائی اور بے دلی کی وجہ سے نمازیں قضا اور ترک ہو جاتی ہیں۔ آپ کی طبیعت یہ سب پسند نہیں کرتی۔ نماز کے تقاضے کی بہت اہمیت ہے جس کی تعمیل میں لاپروائی اور کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔ اچھے تقاضے جب طبیعت میں پیدا ہوں اور پورا کرنا آسان ہو تو ان کی تکمیل ضروری ہے۔ نماز ہمیشہ وقت پر ادا کریں۔

نسخۂ کیمیا

سلمٰی، جگہ نہیں لکھی۔ تین گڑھوں میں سے دھواں اٹھتا ہوا نظر آیا۔ گڑھے ایک میدان میں ہیں اور گھر کے قریب ہونے کی وجہ سے منظر گھر سے صاف نظر آ رہا ہے۔ ان میں سے جو گڑھا بڑا ہے، اس میں سے دھواں نکلنے کی رفتار تیز اور رنگ سفید ہے۔ گھر میں موجود پڑوسن نے والدہ سے دھواں اٹھنے کی جگہ دیکھنے کا کہا۔ وہاں جا کر پڑوسن نے دھوئیں کی لپیٹ میں آنے کے خدشے کے پیشِ نظر والدہ کو قریب جانے نہیں دیا۔

تعبیر: خواب بیماری سے متعلق ہے۔ جسم کے اندر رسولی بن گئی ہے جو جگر کے قریب ہوسکتی ہے۔ ماہر معالج سے علاج کرائیں۔ معالج جو ہدایات دے، اس کے مطابق عمل کریں۔ پرہیز کا خاص خیال رکھیں۔

علی، پشاور۔ تعبیر: خواب میں آپ کو خدمت خلق کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس عمل سے روحانی صلاحیت میں اضافہ ہوگا، انشاءاللہ۔

سازش

رخشندہ، فیصل آباد۔ رات کے وقت امی کے ساتھ جہاں ہوں وہاں کئی لوگ کھڑے ہیں۔ اوپر دیکھا تو چودھویں کے چاند میں تصویریں نظر آرہی ہیں جیسے فلم چل رہی ہو۔ ابتدا میں بلی نظر آئی پھر کتے اور زیبرا کی تصاویر دیکھیں۔ بعد کی تصویروں میں باغوں کے مناظر پھر کھیلتے ہوئے بچوں کی تصاویر نظر سے گزریں۔

تعبیر: کوئی قریبی ہستی آپ کی شادی میں پریشان کن حالات بنانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ خواب میں لاشعور نے بتایا ہے کہ یہ سازشیں ناکام ہوں گی اور ازدواجی زندگی کامیابی سے گزرے گی، انشاءاللہ۔

نصیرہ، فیصل آباد۔ تعبیر: خواب ایسے اعمال کی تمثیلات پر مشتمل ہے جو دوسروں کی دل آزاری پر مشتمل ہیں۔ ہر ممکن کوشش کے ذریعے اس طرز عمل کو تبدیل کیا جائے۔ خواب تشویش ناک ہے۔ لاشعور نے سخت احتجاج کیا ہے۔ غریبوں کو کھانا کھلایئے اور صدقہ دیتی رہیں۔

بشیر بٹ۔ تعبیر: گھر اور خاندانی وجاہت کے خیالات خواب میں تصویر بن گئے ہیں۔ ان میں کچھ باتیں کبر و نخوت پر مشتمل ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہؐ کی بتائی ہوئی راہ پر صدقِ دل سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

عبید، کراچی۔ تعبیر: آپ کے کسی بزرگ نے روحانی ورثہ چھوڑا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ ان کی نسل میں سے کوئی اس ورثے کو حاصل کرنے کی اہلیت بیدار کرے۔ ورثہ بزرگ کے سلسلے کے کسی مرشد سے نسبت پیدا کرکے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے، آمین۔

شیر کے بچے

سہیل، کراچی۔ دوست نے شیر پالا ہے۔ میں اس کے گھر میں بیٹھا ہوں۔ شیر کے دو بچے ہیں۔ کچھ دیر بعد دونوں بچے کمرے کے باہر گھومتے ہوئے نظر آئے تو میں نے انہیں اٹھالیا۔

تعبیر: خواب میں شیر کے دو بچے نظر آنا اور انہیں اٹھالینا نظر کی کم زوری کی علامت ہے۔

Eye اسپیشلسٹ کو دکھائیں۔

مالک مکان

ش، خ۔ سانگھڑ۔ شام کا وقت ہے۔ گھر پہنچا تو باہر

کے دروازے کی کنڈی ٹوٹی ہوئی تھی اور کمرے میں سامان بکھرا ہوا تھا۔ باہر آ کر دو افراد سے معلوم کیا کہ کون آیا تھا۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ مجھے غصہ آیا اور بجلی کے ایک آلے کو دور پھینک کر مالک مکان کی طرف چل دیا۔ اس کے ساتھ آنکھ کھل گئی۔

تعبیر: گلے پر زکام کا اثر ہو رہا ہے۔ آپ کو کئی مہینوں سے نزلہ ہے۔ پرہیز اور توجہ کے ساتھ علاج کرائیں۔ ساتھ ساتھ نیلی شعاعوں کا پانی دو اونس صبح اور شام استعمال کریں۔

چمک دار ستارے

نام شائع نہیں کریں، راولپنڈی۔ بہن کو خواب میں تین نہایت چمک دار ستارے نظر آئے جو ٹوٹے اور گر گئے۔ برائے مہربانی اس کی تعبیر بتائیں۔ ہم لوگ بہت پریشان ہیں۔

تعبیر: خواب بتاتا ہے کہ جب رشتے آتے تھے تو انہیں پرکھنے میں معیار زندگی شامل رہا جس کی وجہ سے عمر بڑھتی گئی اور رشتوں میں رکاوٹ بن گئی۔ ستاروں کا ٹوٹ کر گرنا رکاوٹ کی تمثیل ہے اور نہایت روشن ستارے دیکھنا معیار زندگی کی علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ زندگی گزارنے کے تمام وسائل فراہم کرتے ہیں، ان میں رشتوں کا آنا شامل ہے۔ دولت پرستی کے جذبے سے آنے والے رشتے نظر انداز ہوتے ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ آج گھر گھر لڑکیاں سہاگ کے انتظار میں بوڑھی ہو رہی ہیں۔ اللہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ رات کو سونے سے پہلے اول آخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ 41 مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر شادی کے لئے دعا کریں اور بات کئے بغیر سو جائیں۔ ایک نیند کے بعد بات کی جا سکتی ہے۔

راحت خان، کراچی۔ تعبیر: خواب میں ایسی بیماری کی تمثیلات ہیں جو ختم نہیں ہو رہی۔ وجہ پرہیز نہ کرنا ہے۔ بیماری سے نجات کے لئے پرہیز کے ساتھ علاج کریں اور یقین کریں کہ بیماری موجود نہیں ہے۔

صدقہ کر دیجئے

رحمت، میر پور خاص۔ تمام گھر والے مکان کے اندر جب کہ میں باہر موجود ہوں۔ گھر کی منڈیر پر نظر گئی تو دیکھا کہ اس میں شگاف پڑ رہا ہے۔ میرے شور مچانے پر کسی نے نہیں سنا۔ دیوار کو نظر میں رکھتے ہوئے ایک ایک گھر والے کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکال رہا ہوں مگر بچے بار بار گھر کے اندر چلے جاتے ہیں۔ سب کو باہر نکالنے کے بعد میں نے دیکھا کہ شگاف تقریباً ایک فٹ کا ہو گیا ہے لیکن چھت گری نہیں۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ فوری طور پر حسب استطاعت صدقہ کریں۔ انشاء اللہ حفاظت ہو گی۔ وضو بے وضو یا حی یا قیوم کا ورد کریں۔

عبدالرحیم، سرجانی۔ تعبیر: لاشعور نے راہ نمائی کی ہے کہ شک زیادہ ہونے کی وجہ سے عبادت کا جتنا فائدہ

پہنچنا چاہئے وہ نہیں پہنچتا حالاں کہ ذوقِ عبادت آپ کے اندر موجود ہے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ تنگ دستی بھی ہے۔ اسمائے الٰہی کا زیادہ سے زیادہ ورد انشاء اللہ وسائل میں بہتری کا باعث ہوگا۔

گرگٹ

رقیہ، شیخوپورہ۔ میں کمرے میں بیٹھی ہوں کہ کہیں سے ہرے رنگ کا گرگٹ آ گیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا اسے کیسے بھگاؤں۔

تعبیر: خواب سے ظاہر ہے کہ بے نتیجہ شوق میں وقت ضائع ہوتا ہے۔ جو شوق ذہنی، علمی، روحانی یا جسمانی صلاحیتوں میں اضافہ نہ کرے وہ ذہنی استحکام کو متاثر کرتا ہے۔ مثال اس طرح ہے کہ طویل سفر کے دوران فرد کی جس مسافر سے بات ہو اس کا پتہ لکھ لے اور اسے دوست سمجھنے لگے۔

سلمان، کورنگی۔ تعبیر: وقت کی قدر و قیمت نہ ہونے کے خاکے ہیں۔ وقت کی رفاقت بہترین، اور وقت ضائع کرنا ناقابل معافی ہے۔ ناقابل معافی کا مطلب ہے کہ گزرا وقت ہاتھ نہیں آتا۔ بے کار اور لاحاصل باتوں میں وقت ضائع مت کریں اور زیادہ سے زیادہ اللہ کا ذکر کریں۔

خاور، لاہور۔ تعبیر: خواب میں ہوائی قلعے بنانے کی نشان دہی ہے اور عمل نہیں ہے۔ کام یابی اور کامرانی کے لئے عملی جدوجہد کی جاتی ہے۔

نجومی

کبریٰ، سانگھڑ۔ کسی عبادت گاہ میں موجود ہوں۔ وہاں عبادت میں مصروف لوگوں کی طرف میری توجہ نہیں ہے۔ ایک شخص مجھے بیٹی کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ میں اس طرح عبادت کر رہی ہوں کہ وہ مجھے دیکھ نہ سکیں اور انہیں معلوم نہ ہو کہ میں کون ہوں۔ نظر جب سامنے گئی تو دیوار مختلف نظر آئی۔ فکر ہوئی کہ عبادت کا وقت ختم ہو رہا ہے۔ میں عبادت کیسے کروں۔

پھر میں اللہ سے دعا مانگتی ہوں جس کے بعد اچھا نصیب اور نظر صحیح ہونے کی دعائیں مانگیں۔ اوپر کی طرف دیکھا تو روشنیاں نکلتی ہوئی نظر آئیں جو اللہ کی مہربانی سے صرف مجھے دکھائی دے رہی تھیں اور کسی کو پتہ نہیں چلا۔

تعبیر: آپ اپنے ہاتھ میں موجود لکیروں کی طرف سے پریشان ہیں کہ آگے کیا ہوگا۔ یہ وسوسہ ہے۔ عبادت گاہ آپ کا دماغ، اس کی دیواریں آپ کا ہاتھ اور ان پر تصویریں آپ کے ہاتھ کی لکیریں ہیں۔ آدمی کے ہاتھ میں موجود لکیریں وقت اور عمر کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ اس لئے اگر کوئی نجومی کچھ بتا دے تو اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔

ش، لاہور۔ تعبیر: جذبات میں ہیجان ہے۔ ذہن کی سمت صحیح نہیں رہی۔ لاشعور نے سخت تنبیہ کی ہے۔ مشورہ

ہے کہ عبادت کے ساتھ اصلاحی کتابوں کے مطالعے میں زیادہ وقت لگایا جائے تا کہ جذبات پر قابو پایا جا سکے اور رسوائی سے بچا جا سکے۔

شائستہ احمد۔ تعبیر: آپ کی قائم کی ہوئی توقعات صحیح نہیں۔ ایسے سہارے فریب دیتے ہیں۔ ازدواجی زندگی کے معاملات میں اللہ پر بھروسا کریں۔

زمین

شاہ زیب، کیماڑی۔ عام طور پر خواب میں خود کو اڑتا ہوا دیکھتا ہوں مگر توازن زیادہ دور تک برقرار نہیں رہتا۔ جس کے بعد آہستہ سے نیچے آجاتا ہوں۔

تعبیر: ادبی اور شاعرانہ ذوق کے مالک ہونے کی وجہ سے آپ فنون لطیفہ اور قدرتی مناظر کو بے انتہا پسند کرتے ہیں اور ان کے بارے میں بہت سوچتے ہیں۔ خواب کے اندر اس قسم کے تمثلات رونما ہونے کی وجہ فنون لطیفہ میں دلچسپی ہے۔ تصویروں، پھولوں اور قدرت کی صناعی میں دلچسپی لینے سے انسان کے اندر کام کرنے والے خیالات میں اتنی لطافت پیدا ہو جاتی ہے کہ خیالات کی رو اور جسم دونوں لطیف محسوس ہوتے ہیں۔ اس صورت کے ذہن کی گہرائی میں اترنے سے انسان خیالات کی پرواز کے ساتھ اڑنے لگتا ہے۔ یہی آپ کے خواب میں پیش آیا ہے۔

ماہنامہ قلندر شعور مارچ 2020ء

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:..... والدہ صاحبہ کا نام:.....

پورا پتہ:.....

ازدواجی حیثیت:.....وزن (تقریباً):.....آنکھوں کا رنگ.....

نیند کیسی آتی ہے:.....بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):..... تاریخ پیدائش:.....

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.....فون نمبر.....

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : .....

.....

اصلاح

راحیل احمد، سکھر۔ پکے ہوئے نمکین چاول ایک برتن میں ڈال کر بچوں میں تقسیم کر رہا ہوں۔ تقسیم کے بعد تھوڑے سے چاول بچ گئے۔ پھر نانی کے گھر جا کر واپس باہر آیا تو گلی کے کونے پر کچھ رسالے زمین پر پڑے دیکھے۔ ایک رسالے کے سرورق پر کوئی تصویر دیکھی، اسے اٹھا کر جھاڑتا ہوں۔ رسالے کے بارے میں سوچ رہا ہوں کہ میرے پاس پہلے سے جو رسالہ ہے وہ اپنے استاد کو دوں گا اور جو ابھی ملا ہے، میں رکھ لوں گا۔ پھر دیکھا نماز جمعہ باجماعت ادا کر رہا ہوں اور امام صاحب کو میں جانتا ہوں۔

تعبیر: دین کے لئے ذوق اور اللہ کی راہ میں کچھ کرنے کا جذبہ خواب کے نمایاں نقوش ہیں۔ ساتھ ساتھ یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ کسی کو دعوت دینے کے لئے آدمی کو اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔

س۔ر، امریکا۔ **تعبیر:** آپ شادی کے لئے ایک سے زائد بار استخارہ کر چکی ہیں۔ ہر استخارے میں یہی نشان دہی ہے کہ استخارہ کرنے والی کا ذہن منتشر ہے اس لئے خواب میں تمثلات واضح نہیں۔ جو حالات لکھے ہیں، وہ بھی ذہنی انتشار ہیں۔

ماضی ــــ حال ــــ مستقبل

آدمی کو یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ زمانی مکانی محلِ وقوع اور اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟ چناں چہ یہ کہنا کہ جسم کو صرف خارجی دنیا کنٹرول کرتی ہے اور خارجی دنیا ہی دماغ کی سطح پر تصورات بناتی ہے، صحیح نہیں۔ جس طرح خارجی اور ظاہری دنیا ہے اسی طرح مستقبل بھی ہے جسے ہم غیب، نامعلوم یا داخلی دنیا کہتے ہیں۔ معلوم اور نامعلوم کے درمیان ہمارے شعوری حواس نے پردہ کھینچ لیا ہے۔ لازمانیت کا اس پردے سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمارے حواس خواب میں بھی اسی طرح تحریک پاتے ہیں جس طرح بیداری میں انہیں تحریک ملتی ہے۔

سوال کیا جاتا ہے کہ خواب میں دیکھے ہوئے واقعات اور کئے ہوئے اعمال کیا واقعی اہمیت رکھتے ہیں؟ جواب سورہ یوسف میں موجود ہے۔ ترجمے کے ساتھ پڑھیں اور تفکر کریں۔ خواب میں ماضی، حال اور مستقبل کے اشارے ہیں۔ ہر فرد کو اس کا تجربہ ہے۔ لہٰذا خواب کبھی ایسے شخص سے بیان نہیں کرنا چاہئے جو خواب کی تعبیر اور خواب کی فطرت سے آگاہ نہ ہو۔

analyses and possible examples, we wish to discuss 2004 Boxing Day event that devastated miles of coastal line around the Indian Ocean. On the morning of 26 December 2004, the oceanic floor was unbelievably torn asunder by a powerful earthquake. There was no forewarning of this disaster which caused Sumatra waters to rise at a speed higher than a jet aircraft. At this speed it hit the coastal areas around Indian Ocean. TV footages showed the horrific scenes of these gigantic water waves entering into cities and towns and pushing human settlements back as they moved forward.

After causing widespread devastation, these waves went back to the ocean. Thousands died, many managed to survive with deep imprints of horrific devastations. Sixty feet high waves left dangerous debris behind making it difficult for the rescue workers to reach the survivors. This debris added to deaths and devastation. This wave hit the coasts of Sri Lanka and East Africa taking 225,000 lives in 40 hours.

As it was mentioned earlier, our Earth is made of seven layers, each 100 km thick. The outer part is made of solid rocks and inner molten rocks. These seven layers are divided into smaller parts which are called Earth plates. These plates float over magma at a slow speed. For the last several centuries, there was no recorded movement in the plates under oceanic floor until 1971. Since this year, experts are recording a clear movement under oceanic floor. The scientists were focusing on the weak parts of oceanic plates. It is for this reason several tsunami monitoring stations have been established at several places.

Due to the disaster of 26 December 2004, a 600 km long crevice was caused that pushed the oceanic floor several yards horizontally and vertically. Since there is billions of gallons of water over this plate, therefore, huge pressure is required to push it horizontally and vertically. The source of this pressure is undiscovered. By the application of this pressure, trillions of tons heavy rocks were torn asunder by 10 yards. Such crevices are present on Earth at various places.

Such a situation took place in Sumatra too where not merely part of the Earth crust rose high but also trillions of gallons of water was displaced. This caused great devastation. The intensity of Earthquake on Richter scale was 9 which in 10 minutes killed thousands on Earth. Half a million were injured and 5 million became homeless.

After this quite a non-conventional tsunami, the experts began to think from a new angle. What was the source of the pressure that caused the tsunami?

To be continued...

iii

tion causes bubbles in magma which travel from internal structures to Earth crust and start causing Earthquakes.

The black hole in our Solar System is now active and NASA has recorded its influence on the moon of Saturn and in quakes on Jupiter, environmental changes on Venus, increase in the frequency of fire storms on sun, earthquakes and tsunamis.

The scientists have also collected data relating to movements of Earth surface under oceans but this data is being kept confidential right now.

After describing the Earth's structure briefly, we will discuss the trend of tsunamis.

The two third of our Earth is covered by oceanic water. This water has played a key role in producing life on Earth as well as continuing life unharmed. This water is spread across six directions of Earth. With its blue colour it is hiding two thirds of Earth. The Earth crust is divided into big plates. There are many mountains and hills, several hundred meters deep crevices, dark forests, volcanoes and living things on Earth. These plates extend across oceans and continents. Life exists in waters as well as on land. Provision of food and respiratory systems are part of this with certain differences. According to modern scientific theories, these plates are moving on Earth's surface slowly. In fact, these plates are floating on molten rocks. If there is an unpleasant incident during this movement, it could have its impact on Earth's surface such as eruption of volcanoes, earthquakes, outbreak of ash etc.

Canary Islands are currently centre of attention of geologists. Situated at the north of Morocco, Canary Islands are under the control of the United Kingdom. For the last few decades, this place attracts many tourists. Scenic and beautiful, these Islands are considered to be a range of volcanic mountains moving to their final end. These Islands have suffered tsunamis in the past; but the damage was limited. According to geologists, spread over the range of lava these mountains have become too weak and can slide into water causing high waves. But things do not stop here. Canary is situated at a place which is surrounded by great civilisations. Towards its east is France and Belgium, towards its north is UK, towards its south is Africa and towards its west are industrial cities of North America including New York and Boston.

At the basis of all these theories is a sensitive fire ring, around which exist four great continents i.e. Australia, Asia and North and South America. It is for this reason that this ocean continues to face tsunamis. But in the last few decades increasing frequency of such disasters is a big question mark for geologists.

Before mentioning computer

ii

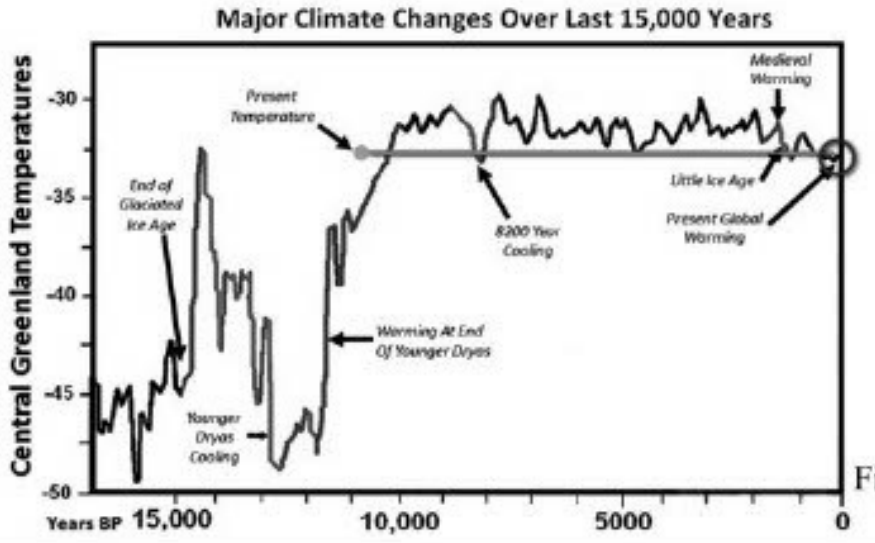

Figure 9

the plate movements under oceanic water could cause high waves and consequent destruction on land but small islands situated on fault lines could also devastate coastal lands by disintegrating and sliding into water. This trend is witnessed near Poles, Canada and Alaska. Such a possibility has been termed as dangerous by experts. This may lead to widespread devastation. Currently, Canary Islands are threatened by this possibility. Land sliding there could lead to oceanic waves rising and devastating major cities situated in coastal areas of the West.

Why is this happening?

Sudden changes on Earth, transform the routine of rainfall. Similarly, there is an irregular winter and associated snowfall.

Natural transformations and the number of natural disasters are increasing by the day.

The possibility of an accident feared by all is increasing.

Something is happening. Is history repeating itself?

Some are characterising it as chastisement by God and some a routine activity after completion of ten thousand years. But why?

There is no satisfactory reply; only certain statistics which are indicating a great transformation.

In this article, we will review transformations taking place on Earth and their reasons.

The spiritual scholars inform that solar systems are refurbished after every ten thousand years. They are kind of reset. According to scientific observations, if we analyze figure 9 we will see lines falling from left to right indicating 10,500 years period. There are two or three black holes in every solar system.

There are black holes near our Solar System too. The movement of one of these was recorded by NASA in 1996. Due to high attraction of black holes, magma under planets moves. In fact, this attrac-

Reality and Materialism

Due to high attraction of black holes, magma under planets moves. In fact, this attraction causes bubbles in magma which travel from internal structures to Earth crust and start causing Earthquakes.

According to spiritual scientists, the year 2006 marked the end of ten thousand years since Noah's deluge. After 2006, the frequency of natural disasters particularly floods increased and will continue to increase until a flood like Noah's deluge would end industrial development of this world and devastate human population to one fourth of current population and after it a new stone age will start.

The scientists mention an ice age as a reason for this sudden change. According to them, after every ten thousand years, Earth faces an Ice Age. Due to Ice Age, the emission of gases reduces. The environmentalists believe that such a transformation could take place within 30 years. This means the onset of the last Ice Age was ten thousand years ago as shown in figure 9.

After every ten thousand years a black hole passes at a short distance from Earth. Although that black hole does not attract planets, it causes great transformation in weather systems of these planets.

US Laboratory in Saint Alamos has recorded an extraordinary emission of x-rays and high energy gamma particles of a black hole. In 1996, NASA revealed presence of a black hole in its journal. Due to this black hole's attraction when hot magma pushes its way to Earth crust, it creates small Islands in oceans as it is being observed these days near Balochistan coast. Sometimes, such a bulge disappears too.

In some islands in the Far East, oceanic waves are rising every year. Some uninhabited islands have sunk in water including in Maldives.

The tsunami of 2004 had killed around 250,000 people. It was a mystery as to why did it happen. Such a tsunami had hit a nuclear reactor in Japan putting the security of a large segment of population at risk.

On the other side of globe, America's western seaboard is also being hit by such small scale tsunamis. The Pacific Ocean which was mostly peaceful around Australia is witnessing the phenomenon of high oceanic waves. The Hawaii Islands are already frequently targeted by tsunamis.

Why has Pacific become turbulent?

The movement under oceanic plates is increasing. What is its origin? What are the factors behind the movement of Earth plates?

Not merely tsunamis caused by

same. The sight of the sky through his naked eye was completely different from what he could see through the telescope. "Is this an illusion?" he thought. "Only the wise man will be able to answer."

"Were you thinking of me?" The old man showed up behind him and startled him. The wise man chuckled aloud and said, "Good morning. What is confusing you?"

Wishing the old man, a hearty good morning, he explained the two sights he saw, both completely different to one another.

"How can this be?" he asked.

"A spiritual master is exactly like this telescope," the old man replied. "He will draw the veils off your inner eye and get you to witness things as they are. You will first witness yourself as a soul, and then a master helps you witness zones and universal wonders within and outside of you that you cannot see with your physical eye. Even the galaxies that are zillions of miles away become visible to you and you will be able to travel the lengths and breadths of them. Have you not received a glimpse of the unveiling of your inner eye last night?"

He remembered his dream and replied, "Yes! I saw you. The dream was so real. You shared so much wisdom with me. And unlike the other dreams that I forget, this one seemed so true that I can reproduce all the details like it actually happened. But what perplexed me is that when I came down to the edge of the lake this morning, this very telescope was here that you were using in my dream. It is exactly where you had left it in my dream! I wonder if I was sleep walking with you?"

The old wise man laughed at his confusion and said, "To the master, a dream is no dream but simply an alternate state of being. You experience life as a dream in your subconscious state. In this state, the processing capacity of your mind is 60,000 times faster than what you experience through your conscious mind."

Episode 2

"What does it feel like to be the wind? The stars? The drop of rain, first on the branch of a tree and now dropping down a child rose-stained cheek?

What must it be like to be the fire that hugs people with comfort, a snowflake that is chased by the furry ones, or a grain of sand, eroded from a single rock but well travelled?

What admiration they deserve, diligently playing their roles as we watch everyday in awe."

— Chaitali Prabhu

iii

dry you up. You then do not remain dependent on rain (good fortune) to fill you, nor are you worried about the harsh summer sun (bad fortune) drying you up. You will remain aware of the everlasting treasure within you." Summarising for him, the old man asked, "So what have you understood up until now?"

He exclaimed, "When I am full of my master, I will begin to reflect him, like the lake reflects the sky. Though the lake exists, the onlookers will only see the reflection of the sky in it and assume it to be the colour of the lake water. The lake and the sky become mirror images of each other. The lake constantly looks up at the sky and the sky keeps raining down upon it. In other words, the world will only see the reflection of the master in the student. And the student and the master will be so immersed in one another that it will be difficult to separate their oneness."

The old man smiled and replied, "Yes, but it is also pertinent to note that the water that falls down upon the lake as rain is also the same water that rises up into the clouds as vapours. So, is it not important for us to understand water, and what it stands for?"

"I cannot wait to hear. Please do share the invaluable knowledge on water." He urged.

The wise man smiled and said, "I will see you again soon. It is time for me to get back." The old man walked briskly into the forest and quickly disappeared.

"Wait. Please wait!" he called after the old wise man. "Do not leave just yet! You are leaving your telescope behind! Don't you want it?" He asked and just then realised that he was still on his bed. Everything that he had seen was in his dream even though it felt so incredibly real. He could not wait to meet the wise man again. He quickly got out of bed and washed up, hoping for a fruitful day ahead.

As he walked to the edge of the lake, he noticed that the morning dew shone on the leaves like sparkling diamonds. He wondered how the wise man had forgotten his telescope… "Perhaps it was deliberate?" he thought. Just then, he realised that he had seen the telescope in his dream, how then was it here before him in his wakefulness? He peered through the telescope, expecting to see not much as it was a bright day, but he rubbed his eyes in astonishment; he saw scenes of universal wonders! Innumerable galaxies! He let go of the telescope and looked at the sky normally and there it was, clear and blue with floating white clouds. The sunrays made it impossible for him to hold his gaze for long.

He peered into the telescope again and once again, he saw countless galaxies and universes beyond comprehension. He rubbed his eyes again in disbelief but no matter how many times he repeated the process, he saw the

ii

others and tries to go back to the seed of misery that brought it down on earth." The old wise man paused.

"What is the seed of misery?" he asked.

The wise man continued, "The seed of disobedience, is what causes misery in mankind. It is disobedience, which made man rebel against the order of God (reference to the story of Adam and Eve). As I was saying, after the internal lake is completely dry, the master begins to rain knowledge down upon the student and slowly over the years, the lake will fill up again, and this time, the lake will reflect the dimensions of the master."

"What do you mean by dimensions of the master?" he asked curiously.

"Dimensions of the master in a spiritual context mean the blue print of the master," the wise man replied with a twinkle in his eyes. "Or simply put, his pattern of thinking."

"Seems like a simple process. Why then does it take so much time for the Master to fill the lake up to the brim (Self actualisation of the student)?" he asked again.

"Evolving may seem like a simple enough process, but everything has a gestation period. To elaborate this with the example of the lake, it fills to the brim during the monsoons and at times overflows to flood the nearby forest area. It also evaporates when the sun shines down upon it; at times, it dries up to such an extent that the mighty lake shrinks down to a mere puddle. What is most important is that just like the lake that remains unaffected when it is full, over flowing or dry, the student must learn to remain neutral when they are leading a full, overfull or dry life."

"In other words, one must remain unaffected by the good and bad tides of life. The master takes the student through many seasons of floods and drought till the lake (student) learns to conserve water within itself and remains filled to the brim (blissful and content) at all times." The old man paused to see his sparkling eyes and asked, "What are you thinking?"

He replied in awe. "Lakes are normally formed in the lowest areas of elevation and are able to connect to water sources that run deep underground. When a lake is constantly poured upon with rainfall, it allows the layers of soil, clay and rock to absorb the water and when it reaches a saturation level, it begins to create pools of underground water. Over time, this underground water pushes itself up and the lake never dries up ever again."

The old man seemed very pleased with his answer and replied, "You are right! So the master is not just drying you up of your individual consciousness, but is filling the deepest parts of you with his knowledge and love such that the streams of water never

Circle of Life

"...When a lake is constantly poured upon with rainfall, it allows the layers of soil, clay and rock to absorb the water and when it reaches a saturation level, it begins to create pools of underground water. Over time, this underground water pushes itself up and the lake never dries up ever again."

The old wise man patted his back and said, "Sit down, young man. You are looking for a master, mentor and guide who will take you to self-realisation. Only he who is aware of his self and the universal secrets, and has recognised the Creator of all that is, is a true master."

"The sky is a metaphoric representation for the master and the lake represents a seeker or spiritual student. The master is always watching over the student as the sky above and is patiently inspecting the student as he dries up his lake. We could say that the pre-existing water in the lake is the individual consciousness of the student. This consciousness is a collective mass of opinions, beliefs, morals, experiences, emotions, reactions, and accumulated memories whether from themselves, people around them or their environment."

"Until the individual consciousness dries up completely, the master does not rain his knowledge down upon the student. It is indeed a painful process for the student and also for the master to watch the student restless and fearful of becoming 'nothing' or going 'non-existent'. But it is the circle of life. Until something perishes and makes way, new life cannot sprout. It is the same as how an infant had to perish for a child to arrive, a child had to perish for an adolescent to arrive, an adolescent had to perish for an adult to come forth, an adult had to perish for old age to appear, and old age had to perish to make way for top soil to come in. And the circle of life, from dust to dust is in motion as it has been for eons."

"Your restlessness is due to the duality in you. While the ecstasy of finding your soul excites your higher self (Subconscious) and it urges you to dry the existing lake, the fear of losing your identity grips your lower self (Ego/ Conscious). Due to this, you begin to yoyo between faith and the lack of it. Have you ever seen a loosely connected live wire? You will see that the thin strands of wire that are broken from the main cord keep sparking dangerous electrical current. The ego is like that live wire and tries to break free from the path of soul searching."

"What is my ego afraid of?" he asked the old, wise man.

"It is afraid of being in total surrender. It is so used to being self-centered and doing things its way, that it fears obedience to

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

ing, just for spreading a few grains?"

A voice from the Unseen said, "I am Omnipotent. No one is allowed to interfere in My affairs."

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) met a *majzoob* (one who is in a state of being immersed in the inner plane and divorced from the outside world) girl in Antakya. She was wearing a robe.

The girl asked him, "Are you Dhul-Nun?"

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) asked, "How do you know me?"

She replied, "Through the True Beloved." She continued, "Tell me, what is true generosity?"

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) replied, "Generosity is charity."

She said, "This is worldly generosity. What is generosity in faith?" Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) replied, "To try to obey God as much as possible."

She said, "When there is obedience, the True Beloved illumines the heart. Love God, not for the sake of this world, but love Him for Him." She left as she said this.

In a market in Egypt, Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) stopped kids for pelting stones at a young man. He asked them why they were doing this. The children said, "This man is insane. He says that he has seen God!"

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) went to the young man and asked, "Have you seen God?"

The young man replied, "Have you not seen Him?"

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) was surprised.

The young man said, "If even for a moment, the veil comes in between, it is not deemed as worship, and it is tantamount to disobedience."

There was a woman who always wore a woollen robe and chador. She used to travel alone and had complete trust in God.

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) told her, "Travelling is not for women to do."

She replied, "O' arrogant one! Have you not read the book of God? 'Say: Travel in the land and see how He originated creation, then God bringeth forth the later growth. Lo! God is Able to do all things.'" (Quran, 29:20)

After reciting it, she said, "Through travelling I found that the signs of God are everywhere on earth and every region is brimming with knowledge." Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) inquired, "How do you know God?"

She replied, "I have cognised God through God, and everything else through His *Noor* (a stage of Divine light)."

(Read the above lines thrice)

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) asked, "What is *Ism-e-Azam* (the Greatest Name of God)?"

She replied, "Every name of God becomes *Ism-e-Azam*, if you remember Him with profound intentions."

---

bled times with fortitude.'

I asked, 'When does one reach this level?'

He replied, 'When the importance of wealth and ancestry becomes secondary, and the heart becomes free of dimensions.'

I asked, 'When is this status achieved?'

He answered, 'When one rids themselves of anger and ego, and considers no one beneath them, as power only belongs to God.'"

Someone once praised the wisdom of a girl before him who spent most of her time worshipping God. Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) wished to meet her. He was informed that she lived in an abandoned church. He went there and saw a lean girl. He greeted her. She replied to his greeting and resumed her prayers.

He asked, "What are you doing here alone?"

She looked at him and replied, "I am not alone. God is with me."

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) asked, "In this desolate place? Are you not afraid?"

The girl replied, "Is there any place on the earth and in the heavens where God is not present? And this is not a desolate place. Desolate is the heart which is devoid of the nearness to God and His love."

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) said, "You appear to be intelligent. How did you find this path?" She answered, "O' young man! Make piety your habit, and then you will find a path with no barricades."

During one of his travels, Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) passed through a desert covered with snow. There he saw a man who was spreading grains. After conversing with the man, Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) found out that he worshipped fire. Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) asked him, "Why are you spreading grains in this cold? What is the purpose behind it?"

The man replied, "Birds have to work hard to look for food in the snow. I am therefore helping them." Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) said, "Birds have a firm belief in God, and they get their food." The man replied, "It is enough for me that God is aware of my intention."

After some time, Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) met the same man again, however, the location of their meeting surprised Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA). The man was circumambulating the *Kaaba* with the utmost passion. After he was done, the man came to Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA), greeted him, and said, "I spread grains for the birds and now look, I am blessed with such a beautiful reward. God has changed my heart."

When the man had left, Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) looked towards the sky and said, "O' God! You have blessed a man who worshipped fire for such a long time with such a huge bless-

attribute, and is in wonderment after knowing the secrets of the self. I am ecstatic by drinking the wine of Your love, and unconcerned by strangers. The one who is careless in Your love is unsuccessful and disgraced."

After saying this, the head went back into the shelter, and Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) could not hear him anymore. Many hours passed, but the face did not show up again.

At *Fajr* (predawn), the head emerged again and called,

"O' God! Heavens are illumined because of your divine light. The light in the darkness is Your divine light. My eyes are deprived of Your Magnificence, this cognisance is only attained by heart. I beg and pray for Your Mercy. Make me a slave who is always present before You."

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) immediately offered *salam* and sought permission to ask a question. The man refused and said, "Your fear hasn't left my heart."

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) was surprised as to why the man was afraid of him. He replied, "You are roaming around purposelessly when you should be working. You are unconcerned about the day of judgement, and have doubt in your heart."

When Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) heard this, he lost consciousness. Later, when intense sunshine fell upon his eyes, he sat up and saw that there was neither the oak tree nor the man.

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) said, "I once heard about a cognisant Arab man who was known for his high status and eloquence. I felt like meeting him. After a long journey, I reached his presence and spent about six weeks at his service. He would refrain from unnecessary talk and would spend most of the time in prayers. I could not find an opportunity to talk to him due to his routine. One day, he paid attention to me, and asked others about me, 'Where is he from?'

Before anyone else could answer it, I introduced myself.

He then inquired, 'Why have you come here?'

I answered, 'So that I can learn that knowledge from you which may guide me to the path of God.'

He replied, 'Believe that God is present everywhere, only ask for His help and repose trust solely on Him.'

I said, 'I am a traveller and have come from a far place. I have come to seek answers to some questions.'

He asked, 'Are you a student, a scholar or a debater?'

I replied, 'I am a student.'

He said, 'Then behave like one and be considerate about when to ask a question. If you will not be respectful towards such details, and transgress, you will not reap benefits from the blessings of having a teacher. Intelligent people walk on the path of truth and sincerity, and pass through trou-

iii

the garden of obedience. Glorious is the One who brought the individual to the river of love, and by acquainting them to the reality of physical manifestations, turned their attention towards the inner."

It is worth contemplating that when God makes arrangements for someone's training, everything in the environment begins to work towards it.

As Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) felt satisfaction from the physical appearance of the plants and flowers, God placed a person there who made him understand that real peace came only from the obedience of God.

The Holy Quran has commands to contemplate the signs of God. One becomes closer to God and finds peace when they look for signs in the manifestations.

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) offered *salam* ('may peace be with you' greeting) to the man after he had finished offering his prayers. Replying to the *salam*, the man asked him, "How did you get here?"

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) answered, "The yearning for advice and learning, and the desire to experience closeness with enlightened ones has brought me here."

The pious man said, "O' young man! There are such people of God whose hearts burn in the fire of love. They visit various realms due to the intensity of their yearning and observe them as per their interest."

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) asked, "Please tell me something about them."

The pious man replied, "Those people have taken shelter under the Mercy of God. They drink the wine of God's love. Please pray that God may also add me to that list, and bless me with the pattern of thinking of those who love God." Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) was very impressed with the humility and modesty of the revered man, so he sought an advice from him. The venerated man said, "Son! Love God with the longing to witness Him, and not for acquiring worldly things. One day, He will show the light of His magnificent beauty to His friends."

The man then recited a few couplets, the gist of which is:

"You annihilated my tears that once existed, and removed the eyelashes I once had. You weakened my worldly body, and my heart you made decline. O' my owner, You took the sight from my eyes that helped me see the manifestations. Now, I have become Yours, and if You wish, You may bless me with Your nearness."

Once, around midnight, Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) was travelling from mount Lebanon. On the right side of it, near an oak tree, he saw a shelter made of grass and straw. There he saw that a head emerged out of the shelter, with a glowing face like the moon.

He was calling out, "The heart attests to the perfection of Your

ii

there – it had disappeared.

Dhul-Nun al-Misri (RA) is considered to be one of the most prominent saints among the Sufis. He is the founder of the Qalandariyah and Malamatiyah Sufi orders. His name was Thawban, his *kunyah* (Arabic tradition to referring parents by the names of their children) was Abu Abdullah, and his title was Dhul-Nun. His father Ibrahim, was from Akhmim (Egypt). Akhmim was a lush, green land and was the pathway for *hajis* (those travelling for *Haj* – an Islamic pilgrimage) at that time.

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA)'s spiritual master is not quoted anywhere in any book, therefore it is assumed that he may have received spiritual education through *Nisbat-e-Uwaisia* (spiritual transmission without the need of physical interaction).

He is well known with the title of Dhul-Nun, which means the man of the fishes. There is an account that details why he was conferred by this title. Once, he embarked on a ship upon which a merchant was travelling too.

One of the pearls from his jewels was lost, and the merchant blamed Dhul-Nun al-Misri (RA), claiming that he had stolen it. Dhul-Nun al-Misri (RA) denied it, but the merchant remained persistent. Other travellers on board began to eye him with suspicion, and treated him with insolence. Dhul-Nun al-Misri (RA) looked up towards the sky and said, "O' the Great and Mighty Creator! You know the secrets of the heart, and it is in your knowledge that I am not a thief, but today people are blaming me for theft. It is only you, who can prove me innocent. You are the most Kind, and the most Merciful."

As soon he uttered those words, hundreds of fish appeared from the water with a pearl each in their mouth. He took a pearl from the mouth of one of the fish and gave it to the merchant. The merchant and all those on board felt embarrassed and apologised for their insolent behaviour. It was after this incident that he became well known as Dhul-Nun.

During his spiritual training, Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) spent most of his time travelling and met many cognisant people. Apart from his biography, in this article, there are a few stories mentioned from the days of his travel, which are full of learning, and each account contains many aspects for self-correction and self -improvement.

In one of his journeys, he was passing through a jungle on a mountain. There was greenery all around. While absorbing the beauty of the lush, green fields and colourful flowers around him, a sound struck his ears. He followed that sound and reached a cave at the bottom of the mountain. He looked inside it and saw someone engrossed in worship, praying aloud, "O' Pure and Great One! Those who seek you find their way and attain pleasure in

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA)

"...this is not a desolate place. Desolate is the heart which is devoid of the nearness to God and His love."

There was once a dervish who liked travelling. He sought and met revered people wherever he went. Once, he found out about a pious girl staying on mount Mokattam. He made his way to the mountain; however, despite the search, he could not trace the whereabouts of the girl. During this search, he came across a group of people, from whom he asked about the girl. One of them replied, "You run away from cognisant ones and ask about the ones who are crazy." The dervish asked, "Can you please let me know where she lives?" They told him that she lived in a particular forest.

When he reached his destination, he heard a very painful scream from afar. He walked in the direction of the scream and after a treading a small distance, saw a girl sitting on a rock. When the dervish moved towards her, she called him by his name and asked,

"O' Dhul-Nun, what work do you have with the crazy one?"

He asked, "Are you crazy?"

The girl replied, "Then why do people call me crazy?"

He asked, "What made you crazy?"

She replied, "O' Dhul-Nun, the love of God! The desire of seeing Him has put me in wonderment, and the search for Him has made me restless. Remember! Love is in the heart, curiosity in the *fu'aad* and search is in the *Sirr* (one of the six subtleties, six spectrums of awareness)."

He asked, "Are *Fu'aad* and the heart different things?"

The girl replied, "*Fu'aad* is the *Noor* (a stage of Divine light) of the heart. The heart loves, the *Fu'aad* yearns to see, and the *Sirr* attains it." The girl's understanding was exceptionally good.

He asked, "What does the *Sirr* attain?"

She replied, "It attains the Truth."

"How does it feel to find the Truth?"

She replied, "O' Dhul-Nun, the attainment of the Truth sets you free from emotions."

He asked, "What is the assurance that you have found the Truth?"

Her eyes welled up, and her voice began to tremble. She began to sob uncontrollably. After a few moments she recited a chant loudly, and said, "See! How the ones who speak the truth depart." She lost consciousness, and became listless within no time. He checked her pulse and found that her soul had departed her body. He looked around to arrange for a burial. After a while, he looked back at the girl's immovable body, and found that her body was no longer

Trees are Friends

A little girl, Marigold, had a beautiful garden in her house. There were many trees, but an apple tree was her favourite. She put up a swing on it, and would keep happily swaying upon it. They became good friends.

One day, the apple tree said, "God has created everyone to be of service to each other. I serve humans, birds, bees, animals etc. I give shelter, fruits, and oxygen."

Marigold asked, "How do you give oxygen to us?"

The tree replied, "My leaves absorb the sunlight from the sun, carbon dioxide from the atmosphere, and my roots absorb water from the soil. I then with the combination of these, generate food for myself and release oxygen for you. This process is called photosynthesis." The little girl was amazed to hear this.

One morning, as she went into the garden to greet all the plants, flowers, and trees; the apple tree spoke up, "Look! There is a tiny red velvet bug!"

Marigold picked the bug and placed upon her palm and said, "It is very silky. I want to name it 'Red Silky'." From then on, all three of them became friends. The apple tree asked them, "How do you serve others?"

Red Silky said, "People use me to create medicines." It was now the turn of Marigold to reply and she said, "I help my family members in many ways, I reach out to people in need, I also water plants and assist them in generating food for themselves, and I feed animals too."

The tree appreciated them and said, "Friends, God has made every creature in this universe to be of help to each other. This is called the ecosystem. I give off oxygen, and get carbon dioxide to breathe from others. The sunlight warms all of us. But sadly, people chop me for fuel, for building their houses and factories. The harmful gases emitted from the factories are polluting the air. The average temperature on Earth is raised, the climate is becoming hotter with each passing day. This is global warming, and it is damaging all of us."

Marigold feeling embarrassed, hugged the tree and said, "My friend, I am doing everything to help the system prevail. I will never let anyone harm you or Red Silky."

The tree hugged her back and said, "If more and more trees are planted, I will clean the air." Red Silky added, "Indeed, together we can save the planet." and then they all began to sing in unison, *"Trees, trees, trees, the roots and trunks and leaves, the home for birds and bees ..."*

— Iffat Mehmood, Class 1

iii

History is replete with examples where people gave up writing after being discouraged by a long span of writer's block. However, there are those who waited patiently for that time to pass. Leo Tolstoy, a celebrated Russian author is said to have also experienced writer's block, and could not write at all for quite a long time. What if Tolstoy had given up?

Breaking the block may take a little time, but one must keep writing; with the belief that something impressive and artistic will emerge on the page. Do you really think there is any writer who exists that did not scrunch-up numerous pieces of paper containing their failed attempts at writing in their rooms?

This applies in every field. For example, what makes a chef different from others who can cook? The difference is that chef's experiment with what is inspired to them. The Mughals refined spices and infused different cooking methods into the culinary art. There would never have been cakes, cookies and cheese if an individual had not picked up the thought of experimenting with flour, sugar and milk while preparing food.

People sitting in the same room receive the same inspiration. At certain times we say something, and instantly another person in the room utters the same thought or expresses that they were about to say the same thing.

If we all sharpen our ability to receive the inspiration that comes down to all of us irrespective of who we are, we can become innovators, builders and reformers.

Once, an idea struck me when I was brushing my teeth. As soon as I went into the next room to tell my mother, my mind was blank. I kept telling her that I had come to her to tell her something but it had just escaped my mind. It was looming over my head somewhere but I was unable to grasp it. So, I went to the toilet again, and it is there that I once more grasped what was whispered to my mind.

Therefore, it is recommended to meditate at a fixed time, and in a quiet, fixed place. A quiet place has more room for accepting ideas than a room filled with many people with hundreds of thoughts revolving in their minds. This is why research labs are built in secluded places, away from the hustle and bustle of cities. Writers move away to quiet places, some even to secluded mountainous regions to pen down their ideas, and to show the world that they managed to catch a piece of information that descended which the rest of us had ignored.

However, it is not always convenient for everyone to move to quiet places to give a material form to their thoughts. Some do not travel far at all and instead dive within themselves to find solitude, and through meditation and the constant practice of connecting to their inner, they manage to find solitude even in a crowd.

***

ii

Those of you who write, would know that there are certain lapses of time where writers are unable to produce anything substantial or nothing at all on the paper or on their computer screens. No matter how hard they try, they are unable to pour out or assimilate their thoughts. This state is called a 'writer's block' where a writer does not find the language to convey their message. In this state, they do not know how to generate thoughts or process them, because to process thoughts, there needs to be a thought that guides them on what to process.

People stop writing because they begin to feel that they do not have the ability to write, or that they have run out of inspiration or arrive at other reasons. But the underlying reason of all the causes is that the writer is unable to pick their thoughts up because the stock of information in their mind has been consumed. One must reflect on what is the relationship between these two things?

Like attracts like.

I have never come across any writer who does not read or observe. When these activities reduce in their life, it weakens their link with the agency that pours out ideas to all of us. Just as one connects to the grid station for power, they are able to gather ideas, or light up their minds, when they are connected to an agency of inspiration.

Therefore, 'to keep writing' is a strategy to realign with the lost track, in which the writer continuously taps the mind until it leads them to the unending spring of thoughts, that flood their minds with words to voice the thoughts. Most of the time it works, but rarely, it does not.This can happen because the mind is overwhelmed with something else, and has no room for anything else to surface.

Maulana Jalal al-Din Rumi (RA), an acclaimed Sufi and friend of God, wrote *Masnavi* (an extensive poetic collection comprising around 25,000 verses). He used to dictate couplets to his student, but once while dictating, he fell silent and then said, "I am not receiving inspiration from the *ghaib* (unseen) right now. Thus, there is no pleasure in this. It is rather better to be quiet."

This can be frustrating time for people where despite wanting to write, they are unable to produce anything. How many of us, at that point in time, sit back and think, "If I'm supposed to be a writer, why is it that I cannot write, when I am so desperate to write?" This leads to us understanding that the flow of information is not in our control. And if it is not within our control, what right do we have to place our labels or names on things to convey it as our intellectual property? Is it enough that the idea simply caught our attention first and we put it into a material form? Does it not make us a middle man who passes on the goods to the consumers? Does the work we produce really deserve our copyright tag on it?

The Driving Agency

...the flow of information is not in our control. And if it is not within our control, what right do we have to place our labels or names on things to convey it as our intellectual property?

Her face looked white, lips translucent and eyes petrified, just like the eyes carved in a statue – devoid of any glisten and emotions. She was looking somewhere fixedly. A woman was calling out her name, tapping her face to bring her back to consciousness, but there was no recognition in her eyes, as if she could not hear or see at all. The news she had just heard had such an overwhelming impact upon her that it wrecked her senses and disconnected her from her surroundings. Life had paused for her in that moment. Though, she did regain her normal state … later.

Anything – tangible or intangible – that catches our attention, becomes our vision. When we are lost in an idea or thought, everything around us blurs, and only that thought stands vividly before our eyes. In that moment, we 'unhear' everything, even if it's somebody talking to us. Something stronger than that thought such as a touch, or a loud voice pulls us to where we are physically present; blurring the thought that caught our attention, and our surroundings vivid consequently.

When some thought grabs our attention, it detaches us from our physical surroundings. As in, a person laughing and having a good time with friends can suddenly slip into a state of sadness if thoughts of loss shrouds them. They may feel lonely among thousands, and can alternatively be cheerful even when alone, just because of an idea replenishing their senses. The views, or perceptions dwelling in our minds decide our state. Precisely, 'thought' drives life, as we act only when we are triggered by it.

The invisible agency that inspires the thoughts keep our mind inundated with thoughts and inspirations. When it tells us the weather is hot, we try to stay hydrated or cover ourselves properly to avoid sunburn. It inspires us to help others, to be nice to them, to sleep, to eat – however, it is our prerogative to a certain extent to either follow or ignore these thoughts. But what about the thought that makes us ignore a thought? Or even the thought that makes us act upon a thought? Are they also inspired? If so, who is the master of our life? Also, can you claim to have experienced a moment in life where you were thoughtless? You may say that you have experienced thoughtlessness in the state of meditation. But to go into a meditative state, you need to fix your focus over a certain thought so as to not allow other thoughts a breathing space within your mind.

iii

such that the poor could never repay their debts, due to which they were denied grant of loans. Large outstanding amounts of debts by the wealthy would be waived off while every single penny of debt owed by the poor was meticulously recovered. As there was no budget for education, only those children who had wealthy guardians could acquire it.

People would vomit their eaten meals to be able to empty their stomachs and eat yet another sumptuous meal. There was a common saying that, "Enjoyment is in eating and not in digesting food." Joblessness was rampant and begging prevailed over half of the world's population.

People held firm belief in life after death. They trusted that the dead would be brought back to life and rewarded and punished as per their respective deeds and hence they performed strange rituals during burials.

They created graves within huge spaces by cutting through the mountains and surrounded them with multiple rooms. Adjacent to the room in which the mummified body of the king was kept, they placed objects that were used by the king as part of his daily routine. The objects included jewellery made of gold, the gold throne, chair, cabinet for utensils, various types of grains, and pots filled with drinking water. They believed that the dead king would require all of this when he came back to life.

They made the slaves stand beside the walls, and sealed the area where the door was supposed to be installed so that the rooms would be airtight.

The list of idols that were worshipped in the Indian subcontinent before the prophethood of Prophet Muhammad (PBUH) is long. They believed that Dyaus was the god of the luminous sky. Varuna represented the ocean, and the deity that they believed operated the planet was referred to as Vishnu. The Brahmanas were the only ones who were permitted to read the Holy Book, Vedas. Kshatriyas, and the people from lower castes were not allowed to read the Vedas; however, they could listen to them being recited.

Women were not given any status in society. They believed that a woman would be widowed only if she had committed a sin. A widow was not allowed to remarry, for it was their religious belief that an honourable woman would choose to burn herself alive on the pyre of her husband.

If the shadow of a Shudra cast upon a well, they would empty and clean it. If a Brahmana commited murder of a person belonging to another caste, he would be exempted from punishment and could repent his act by fasting. People were found worshipping provocative images painted upon walls.

(Episode 1)

ii

Even when one's child was chopped into pieces at the behest of the king, the father of the murdered child would be found singing praises and bowing down to him. People were brainwashed to such a great extent that they had etched the belief in their minds that the decision of the king was indeed the will of God.

The imposition of new taxes was the favourite hobby of governments. Death was the most lenient punishment for those who protested the ill doing of the royalty. The kings were so well guarded that their own family and relatives had to seek special permission to meet them. Armed soldiers were seen patrolling the streets that surrounded the palace at all times. And, even though the palaces were very spacious, the king and queen lived in smaller bedrooms for security reasons.

The kings wore rich fabrics of brocade and silk that were woven with threads of gold and silver. The gold crown as heavy as a hundred kilograms would be decorated with the most expensive emeralds, rubies and pearls and hung over the head of the king with the assistance of thin golden chains. This gave the observer the illusion as if it was placed on the king's head.

The wealth was concentrated in the hands of the rich while the ordinary lived miserable lives. Poverty was so steep that it sucked the blood out of them. Places for inappropriate socialisation were rampant. A wealthy woman could not just have one husband, as it was against the fashion of that time. Higher education was a privilege extended to the affluent.

Prisoners were subjected to the most gruesome punishments. Lemon and vinegar was sprinkled upon their open wounds, rods were inserted into their eyes, and cotton soaked with vinegar was placed in their mouth, nose and eyes. The most terrifying punishment was death. The executioner would sever the parts of the body one after the other. He would first chop the fingers and toes off with a sharpened knife, then dismember their hands up to the wrists and feet up to their ankles. He would then work to chop off the elbows, legs up to the knees, the nose, ears and then would finally decapitate them.

The people of Rome worshipped the spirit, however, there was no set pattern in which they performed their religious rituals. They carried deities carved in stone around the cities for worship and the government shouldered the responsibility of ensuring that the deities reached their respective destinations.

The population was divided into two categories; one was wealthy and privileged while the other was the ordinary people. The government officials hailed only from wealthy families. The laws pertaining to debt were formulated

Prophet Muhammad (PBUH)

The Earth was restless, watching the disruption upon it and implored with the Lord of all realms to send His Beloved so that the flames of destruction emanating from it may be put off and it be saved from devastation.

Before Prophethood: Before the prophethood of Prophet Muhammad (PBUH), the entire world was engulfed in darkness. Fear overwhelmed people as cruelty raged everywhere. The oppressed had no one to seek help from. Killing was rampant and people were stiffened with pride and ego. Humanity was breathing its last breaths. Civility, ethics, and the concept of forgiveness had ceased. Immorality replaced moral values. People lived by the standards of animals rather than living as human beings.

The unsound mentality had driven people to worship idols. They created idols made of wood, stone and clay, bowed down to them and offered prayers in the hopes of getting their wishes fulfilled. Even when they saw dogs urinating on idols, they refrained from contemplating their actions. They bathed the idols in milk which attracted flies that flew around and sat upon them. Despite this, the non-believers were so engrossed in the practices of idolatry that they were blinded to the fact that the idols they worshipped lacked the strength to even shoo off the flies that sat upon them. Their blood oozed a satanic influence within them.

The Earth was restless, watching the disruption upon it and implored with the Lord of all realms to send His Beloved so that the flames of destruction emanating from it may be put off and it be saved from devastation. The Earth wanted all the creations of God to experience peace and see an end to the tyranny of those who dominated society. It wanted the burning hell upon it to be transformed into a lush garden. The Earth wished for the shrewd to lose their might and the commoners chained in capitalism to find their freedom.

In that era, the lives of people around the world was a living hell. The Iranians and people from other countries, rejected the Oneness of God. As infidelity was firmly rooted in their minds, they worshipped the light, sky, fire, rain, moon, sun and stars. Each tribe had their own god. The political reign and leadership were in the hands of a limited few who were deemed special or controlled by religious scholars. The wealthy and landlords lived lavish lives, whilst the ordinary bowed down to touch their feet.

The cruel kings who ruled independently, upon their whim and fancy, sentenced people to be hanged until death. No one ever raised a protest or objected to the tyrannical actions of the kings.

and lo! God is with the good." (Quran, 29:69)

Those who want to know God and the purpose of their existence, they witness that God has created innumerable realms to show His magnificence.

If we firmly believe that everything is from God, the doors to paradise will open for us again. But if we do not, then God, the Merciful will do as He wishes. Imagine, what will be our standing at that time?

• • ——————————— • •

You have come from far off places to celebrate the Urs of Qalandar Baba Auliya (RA). May God guide you and I, to look for our true status.

"And We said: O Adam! Dwell thou and thy wife in the Garden, and eat ye freely thereof where ye will; but come not nigh this tree lest ye become wrongdoers." (Quran, 2:35)

God commands us to eat happily. Happiness is the trait of paradise. Those who are unaware of happiness are deemed as…?

A tree means leaves over leaves, branches over branches and fruits. This pattern of thinking is marred with illusion such that at one point, the tree is laden with mangoes, but in the next moment it has none. This cycle keeps on repeating itself. Would you call this process reality or an illusion? [People in the congregation said aloud, "Illusion"]

I was born, became ten days old, then grew up to be 10 years of age, then 20, and then 50. I do not know where those years have gone by. Do you know?

We do not know where we came from. We say that we have come from the realm of souls, but do you know where it is? Where will you move on to from here? People with wisdom say that unless one attains complete faith in God, these realms do not unveil themselves to them.

The purpose of spirituality is to surrender oneself before God, and acknowledge that God is the Provider, the Creator, and it is He who transfers us from one realm to another. The only way to reach God is to keep Him in our minds and in all our actions. As a result, things will fall in their right places.

Everyone says that God is watching us, but when you commit a sin, why do you not remember that He is watching? When you hurt someone, why do you forget this fact? If at all times, one firmly believes that God is watching them, then by the will of God, 99 percent of mankind will be aligned to the right path.

May God's blessings be upon you.

• • ——————————— • •

vii

Being independent means that God does not need anything. To acquire this ability, one must not harbour expectations from anyone else except God. When this ability takes root, the individual becomes exceptional amongst all beings. Those who are deeply rooted in the wisdom of God know what dependency is; they realise that an individual cannot help others – they can help only if God inspires them to help. Can you serve if the thought of being in service, is not inspired within you?

Have you ever thought about the source of thoughts?

[There was a pin drop silence in the congregation.]

What is life if thoughts ceased to arrive in your mind?

Isn't life dependent upon thoughts?

[The audience replied, "Life is dependent upon thought."]

When there is nothing without a thought, then from where does it come and who inspires it? ["God," was everyone's reply.]

I should end it here if this message has brought any clarity to you. Would anyone from the ladies like to summarise the discourse of today? What have you understood from the Chapter *Ikhlas* that I have recited before you? Is there anybody amongst the men who can speak?

[The men replied together, "The relationship of God with His creatures is founded upon love."]

Everybody knows that God gives life and death to us, and He puts life into us again. I have spoken for quite long; I just want you to tell me a summary of my discourse.

[A lady stood and said, "You have explained to us that the four attributes mentioned in Chapter *Ikhlas* can never be that of the creatures , but the attribute of being 'Self-sufficient' can be adopted by us to some extent, if we try to know God and use the resources provided by Him, bearing in mind that they are given to us by Him."]

Anyone else?

[Another lady stood and said, "We have understood that we have no power over anything. We act as our thoughts guide us."]

[Mr. Azeemi smiled] Child, even thought comes from God.

[A gentleman stood up and said, "Five attributes of God are explained in Chapter *Ikhlas*. The attribute of *tawakkal* (reliance on God) can be adopted by us. All of our actions are subservient to thoughts, and thought comes from God, and so does every movement".]

Child, that movement is also a thought… Movement is also a thought.

May God keep you all happy, and along with happiness, may He inspire you to attain spiritual knowledge more and more and ease His ways for you.

"As for those who strive in Us, We surely guide them to Our paths,

vi

It is said in Hadith *Qudsi*[3],"I was a hidden treasure; I created the creatures with love so I may be known."

Kanza and *makhfi* are words in the Arabic language for treasure and hidden respectively. God gave life to arrays of creatures, and created mankind in particular so that they may know God. God says that He is the Omnipotent, and rules over everything. He also declares that He is the first and the last, the apparent and the hidden. Reflect over any creation and you will find that they have a beginning and an end, they appear and disappear. For example, all the scientific inventions taking place are hidden in the earth and in Iron.

> "And He revealed iron, wherein is mighty power and uses for mankind." (Quran, 57:25)

The traits of iron are unveiled to those who search for it. As a result, iron expresses its traits onto the screen of the mind and says, "I have this ability within me. I have these abilities within me. I have that ability within me." And after that, we claim that we discovered and own these qualities of iron. Ponder over the secret that iron is unveiling its abilities to us.

Everything sings praises of God, night and day. It means that everything in the universe has sense. When God proclaimed, "Kun," creation came into existence. God asked, "Am I not your Lord?"

The creatures replied together, "Yes! You are our Lord." They heard the voice of God and witnessed *Tajalli*.

All the creatures acknowledged that God is their Lord, the Creator and the Provider. He provided sunshine, created the moon, added sweetness in the fruits and let the rivers, streams and seas flow for us. He embellished the sky with *burooj*[4] fashioned mother earth for us and provided countless nourishments through her.

• • ——————————— • •

God says in the Holy Quran,

> "Say: He is God, the One. God, the eternally Besought of all. He begetteth not nor was begotten. And there is none comparable unto Him.'' (Quran, 112:1-4)

Law: The gist of this discourse is that you must not keep expectations with people, and become dependent solely on God. What does it mean to be dependent on God? He gives life to you. Nobody knows where they will be born; whether in the house of a sweeper, tanner or of a king. If their opinions were taken in this regard, they would all choose to be born in the home of a king.

---

[3] Hadith Qudsi are the sayings of Prophet Muhammad (PBUH) as revealed to him by God.

[4] Mansions of stars

V

If you had any authority over your senses, why then can a dead man not hear? After burying a dead body, if you excavated the grave after the passing of some time, you will find nothing there. You will not even find traces of the bone ash after a certain period of time has lapsed. A six feet tall man is buried in the grave and he decomposes into sand. This explains that he does not have any standing of his own. Does a wrist watch display the time without a battery cell? In that case, what is real? The wrist watch or the battery cell? Can you be born or age as per your wishes? God forbid, if you lose your eye-sight, can you bring it back? What powers do you have? There is but one power that you have, which God has mentioned in Quran as follows,

"God tasketh not a soul beyond its scope". (Quran, 2:286)

Who has given the strength or authority to an individual after all?

[The audience said, "It is given by God."]

The authority given by God, is the authority of God. Neither do you have control over your birth nor over your youth nor do you have powers to evade old age or your death. No one is given pain more than their strength to endure it. Will strength matter if the body is lifeless? Ponder over the reality of the machinery installed within your body – the heart, lungs, spleen, gall bladder and other body organs are all but fictional. Then comes a time when no fiction remains. During the postmortem, none of the body parts show any movement. So, what is it that holds significance – the body or the movement?

[The audience replied, "Movement."]

You have collectively answered that movement is significant. But movement exists only when someone stimulates it. What is movement then? It is life, and life is in the hands of?

[The people replied, "It is in the hands of God."]

We walk on the earth due to life provided by God. If the earth does not sacrifice for us, would cemeteries be inhabited? When a person dies, nothing remains of them except for dirt and malodor which the earth hides within itself. Everyone knows of the consequences of an unattended corpse. Foul smell erupts out of it, and it is devoured by dogs, cats, eagles and crows. God protects the moving body from decay, yet, we do not know who it was that lived in the body that has now vacated it.

Can you describe the state of happiness in words? There are so many people sitting here. Can you explain grief in words? People elaborate emotions through gestures. We feel comfort and pain, but we do not know what pain and comfort are. We express pain when our blood pressure fluctuates, and upon stability we say that it is back to normal. We should contemplate the purpose of the heart within our body.

mother is a source of nourishment to a child. What would happen if she did not become the source of food for the child? What a strange system it is that upon the child's needs being fulfilled, mothers stop lactating.

God is the first, the last, the apparent, and the unseen… What is a creature then? They are the description of the attributes of the first and the last, the apparent and the unseen. If our body is independent, then what does our hunger, thirst, sleep, wakefulness and death indicate? Why does a corpse not move despite having a nose, eyes, ears, brain, about 37 trillion cells, stomach, hands and feet? Does a corpse show any movement after death?

When *aadmi* (mankind) was banished from heaven, God told them, "Though your sins are forgiven, you cannot live in heaven now."

Dear ladies and gentlemen, despite treating a burnt hand, the burn will still leave its mark. Since the law was flouted by Adam and disobedience had occurred, God said, all of you get down. Now humiliation, poverty, and diseases will chase after you, and you will spend your life chasing after them. There will be everything, but no peace. There will be everything, but you will be in the grip of fear. There will be everything, but the life of faith will remain veiled. Despite having everything, you cannot claim ownership over anything. You come empty handed and go empty handed. History is a witness that a rich man became a beggar, and the one with nothing hosted *langar*[2].

Will we not go insane if we are sleep deprived? And if sleep overtakes us such that wakefulness cannot dominate it, an individual remains in a state of sleep. You have no control over hunger, thirst or your birth. Can you cite any example of being independent in your life? All of you have become silent, at least say something so I know that my listeners are awake. [The audience replied that they are not independent in any of their actions.]

But we all claim to be independent. It is true that in hunger, one can survive upon half a loaf of bread, but the access to bread is possible only when wheat exists. The mechanism working in one's eye puts one in a state of wonder. Do you see with your own power? Answer in an audible tone – do you see with your own power?

[The audience replied in unison, "No."]

Do you speak with your will?

[The attendees replied, "No."]

Can you smell with your own consent?

[The audience answered, "No."]

---

[2] Communal meal

iii

[The audience answered, "There will be a drought."]

As you all know, water occupies three parts of the earth, leaving one part dry. When the sea tides rise and fall and the sea begins to rage, one witnesses these tides rising as high as fifty feet. Will there be a downpour of rain if these tides do not transform into clouds? When the tides are formed in the sea, it invites a windstorm to lift the water upwards which breaks it into smaller particles. After reaching a certain altitude, these water particles transform into snow. Please reflect on this:

What will happen if sunlight persists and snow ceases to form?
What will transpire if water remains frozen and there is no sunlight?

The law of attraction and repulsion is established on earth. Just as the sea waves rise high, the earth also longs to meet someone. Have you ever seen a wave going downwards? It always rises upwards. As soon as the waves move upwards, the wind breaks it into tiny particles to either form a mountain of snow or piles it up over an already existing mountain. The wind may lift these particles further to form a cloud. This is why it rains heavily in the sea.

The water levels underground rise up after the rain and help us to gain access to drinking water when we dig wells. When the sunshine generates heat and melts the snow, the thirst of the earth is quenched and energy is created. This energy yields the snow, wheat, fruits and oceans.

Water covers three parts of the earth. The remainder fourth part is a dry land, which is a habitat for living beings; however, one must note that there are creatures that live in the sea too. So, what does this entire system of rain, wind and storm signify? What does the system of replenishing the earth indicate? And what does the system of the services rendered by the earth suggest to us? Will there be vegetation without rain or water? Once, in search of water, we dug up the land to a depth of 400 ft in the Azeemi Graveyard, but we did not find any trace of it.

Ponder over the system of the universe and try to unravel why this world was created and for whom.

God is beyond all things, not bound by food or water, illness, health, kin, marriage, wakefulness or sleep. This entire system, that has been intact for hundreds of centuries, is the prerequisite for all creatures. The creature is bound to be either male or female, food is vital for its survival, it requires oxygen in the atmosphere, and cannot survive without sleep. God on the other hand, let alone sleep, does not even yawn. Have you ever given any thought as to why this entire system was established and for whom it was done?

We wear the best of clothes. If there was no cotton, thread, yarn, silk, velvet, jute and leather, how would we have covered ourselves? A

ii

dies in one place, God transfers him and gives life to him in another place.

What I would like to know from you all – think and speak – is, which attribute of God can be adopted by creatures to strengthen their relationship with God? I want you to express your thoughts. Can anyone of the ladies answer and tell us which of the five attributes of God can be adopted by the creatures, while the remaining four cannot be taken up by them? [The ladies answered in unison, "*Al-Samad.*"]

When God is the Provider, the Master, the Sustainer… and forms countless pictures out of a drop, do you not feel an urge to know Him?

> "He it is who fashioneth you in the wombs as pleaseth Him. There is no God save Him, the Almighty, the Wise." (Quran, 3:6)

Those who keep no expectations from anyone but God attain His nearness. God says,

> "We are nearer to him than his jugular vein." (Quran, 50:16)

Nearness to God – observing His *Tajalli*[1] is a profound subject altogether. After reaching this stage, one becomes firmly rooted in the belief that everything is from God.

Let us travel into the past to understand this. God intended to create the universe for He wanted all creatures to know that their Creator and Master is God, and that they may witness Him. God then addresses them all and says, "Yes, you are My creation".

God created provisions to protect the creatures. He has blessed us with abundant provisions.

> "God giveth without stint to whom He will." (Quran: 3:37)

Provisions means supplies and subsistence. God has made the earth a lush green land, and has ordained it to serve mankind. Mankind does not pay attention to how they are being served by the earth over hundreds and thousands of years. Tell me, can we survive if the earth we live on becomes a rocky mountain? Earth is our mother. One cannot construct a house if mother earth does not offer her soil. Similarly, not a single leaf would sprout, nor would there be availability of nourishments if the earth turned barren. As the fertility of earth depends upon water, when the system of the water cycle comes to a halt, it becomes barren.

> "God is He Who created the heavens and the earth, and causeth water to descend from the sky, thereby producing fruits as food for you." (Quran, 14:32)

If the earth becomes a dry stone, what will it yield?

[The audience replied, "Nothing."]

And if it does not rain? If water ceases to exist, then?

---

[1] A stage of Divine light

Message of the Day

The speech of the Spiritual Master on the occasion of Urs, 2020.

O' God, shower Your mercy upon Muhammad (PBUH), and the family of Muhammad (PBUH) as You have showered Your mercy upon Abraham (PBUH) and his family. Truly, You are praise worthy and glorious.

O' God, let your blessings come upon Muhammad (PBUH), and the family of Muhammad (PBUH) as you have blessed Abraham (PBUH) and his family. Truly, You are praise worthy and glorious.

Dear elders, friends, and children, may God grace us with His blessings, and give us the strength to follow the example of Prophet Muhammad (PBUH) with the utmost sincerity. God guides those who refer to Him, repose trust in Him, and dearly love His beloved Prophet (PBUH).

In the name of God, the Beneficent, the Merciful.

"Say: He is God, the One. God, the eternally Besought of all. He begetteth not nor was begotten. And there is none comparable unto Him." (Quran, 112:1-4)

These are the verses of Chapter *Ikhlas* from the Quran in which God has explained His attributes, and that of all creatures. You know these verses by heart, and are aware of its translation. It entails the introduction of humankind, other creatures, and of God himself.

"Say, O the Prophet of God, that God is *Ahad*.'' The word *Ahad* has been translated in many ways, such as, one who has no precedent , one who has no partner, self-sufficient, etc. Some call Him God, others refer to Him as *Ishwar*, and some have named Him *Yazdaan*. God is one, but the creatures are many.

Tonight, let us all, you and I, muse over the relationship between God and His creatures. Ladies and gentlemen, reiterate it… God says that He is one. God is not two, three, four or ten in numbers. He is one, and has no lineage!

Creatures are at the mercy of needs; however, God is independent of everything, and is unaffected in all respects.

He neither begets, nor is born.

And there is no one comparable to Him.

He is alone, and has no family or clan. He is a family Himself; He is a Master Himself. He encompasses everything, and holds all Powers. It is Him who gives life and it is Him who replaces it with another. If a man

Contents

Message of the Day	K. S. Azeemi	176
Prophet Muhammad (PBUH)	Extracted	168
The Driving Agency	Sarah Khan	165
Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA)	Qurat-ul-Ain	161
Circle of Life	Bibi Anuradha (UAE)	154
Reality and Materialism	Dr. Naeem Zafar (Ph.D.)	150

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

"How can the heart travel to God,
When it is chained by desires?"

— Ibn Arabi (RA)

Vol 8 Issue 2 | March 2020 | Rajab – Shabaan 1441AH

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in Chief
Huzoor Qalandar Baba Auliya[RA]

Chief Editor
Khwaja Shams al-Din Azeemi

Editor
Hakeem Salam Arif

Circulation Manager
Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.80/- Per issue. Annual subscription Rs.1080/- with Reg. Post (Domestic), US$ 70/- (International)

Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020